شعری مجموعہ

آنسو

فرزانہ فرحت

آنکھوں میں دھواں سا ہے یہ آنسو تو نہیں ہیں
صحراوں کی مٹی میں تو جل تھل نہیں ہوتا

آنسو

(شعری مجموعہ)

فرزانہ فرحت

اردو سخن

نام کتاب	آنسو
شاعرہ	فرزانہ فرحت
سکونت	لندن۔انگلینڈ
تعداد	1000
سنِ اشاعت	بارِاول 2010
	بارِدوم 2019
	بارِسوم 2020
اعزازیہ	300روپے،10پونڈ،10یورو
	75 کراون،10ڈالر،15سعودی ریال
ناشر	اردوسخن،پاکستان ،فون 0092-302-78 440 94

سٹاکسٹ ادارہ فکرودانش ،الحمد پلازا،اردوبازارلاہور پاکستان

اہتمام۔شریف اکیڈمی جرمنی

انتساب

میرے چمن کی ننھی کلیوں

سارا اور مدیحہ کے نام

کسی ہیں طوفان کا اشارا ہمارے آنسو تمہارے آنسو
ہیں عشق کا ایک استعارہ ہمارے آنسو تمہارے آنسو

حسنِ ترتیب

ابتدائیہ۔۔۔

طائرِ خیال۔۔۔

فرزانہ فرحت

اپنی نظموں کے آئینے میں

فرزانہ فرحتؔ کا تعارف گزشتہ دنوں 'آنسوؤ' کے حوالے سے ہوا اس سے قبل بھی ان کے دو شعری مجموعے ''خواب خواب زندگی'' اور ''بدلتی شام کے سائے'' چھپ چکے ہیں۔ انہوں نے نثر میں کئی یادگار تحریریں بھی لکھی ہیں خصوصاً ان کی وہ تحریر جو انہوں نے اپنے شہید بھائی کیلئے لکھی جو ایک باکمال سرجن تھے انہوں نے ایک کٹے ہوئے ہاتھ کو (آج سے قریباً 21 سال پہلے) جوڑ کر سرجری کی دنیا میں ایک نمایاں کام ہمارے شہر (فیصل آباد) ہی میں کیا تھا۔ وہ دہشت گردی کا شکار ہوئے، ہسپتال سے گھر جاتے ہوئے کسی نے انہیں شہید کر دیا تھا۔ ان کی شہادت پر فرحت نے جو تحریر لکھی وہ قارئین کو آج تک سوگوار کئے ہوئے ہے۔ اس واقعہ کا ان کے دل و دماغ پر بڑا اثر ہوا۔ اب بھی یہ غم ان کی تحریروں میں جھلکتا ہے۔

شعری محرکات میں سب سے بڑا محرک وہ احوال و مسائل ہوتے ہیں جو

لکھنے والے کوتخلیقی سطح پر متحرک رکھتے ہیں۔شاعری ایسے بھی دردوغم کا بیان ہے بقول میرتقی میر:

مجھ کو شاعر نہ کہو میؔر کہ صاحب میں نے
درد و غم کتنے کئے جمع تو دیوان کیا

فرزانہ فرحت کی شاعری کی اٹھان بھی ایک گہری اداسی لئے ہوئے ہے۔ زندگی کے نشیب وفراز کا مقابلہ' وطن سے دورایک اجنبی ملک میں زندگی کی تگ ودو۔ خانگی زندگی کے امورومسائل' بچوں کی تعلیم وتربیت' اپنے پیشے سے گہری وابستگی اور اس کی مصروفیات......ان تمام کے ساتھ شاعری سے ربط' فرحت نے ہمت کے ساتھ یہ سب نبھایا۔ یہ سب ایک کارنامے سے کم نہیں۔

شاعرات کے حوالے سے ایک بات جوادبی وشعری حلقوں میں اکثر زیر بحث رہتی ہے وہ ان کے شعر کے اعتبار کا مسئلہ ہے خصوصاً اردو کے مراکز سے دور جو شاعرات ان دنوں مشاعروں میں نمایاں ہیں ان میں کچھ اپنے تلفظات اور شعر پڑھنے کے انداز سے ہمیشہ محل نظر رہی ہیں۔شاعری خصوصاً غزل ایسی صنف ہے جسے پڑھتے ہوئے 'تری' اور 'تیری' کا فرق بھی شاعراور غیرشاعر کا فرق واضح کردیتا ہے صنفوں کے مزاج اور باطنی ہئیت کے مطابق ان کی غزل میں جذبات کی ریزہ کاری اورنظم میں مربوط اظہار نمایاں ہے ان کی نظمیں اگرچہ تعداد میں کم ہیں مگر بہت دل آویز اور موثر جذبات کی حامل ہیں۔ مٹی کی خوشبو' چناب کا کنارہ' آزادی' عید کا دن' اے ماں' ظلم کی داستاں' ایک زلزلہ زدہ شہر' ان کی خوبصورت نظمیں ہیں۔

☆ ''مٹی کی خوشبو'' ......محبت اور ماضی کی یادوں کے اثرات سے بھری

ہوئی نظم ہے۔ ماضی عمر کے ہر حصے اور ہر جگہ پر حساس ذہنوں اور درد دل رکھنے والوں کو رلاتا رہتا ہے وطن سے دور اس درد کی آنچ اور تیز ہو جاتی ہے۔ اس ناسٹلجیا NOSTAGIA کا اثر صنف کے حوالے سے بھی اپنی کئی جہتیں رکھتا ہے خصوصاً خواتین پر اس کے اثرات زیادہ ہوتے ہیں۔ اس نظم میں فرحت نے موسموں کے حوالے سے اپنی کیفیات کا اظہار کرتے ہوئے بچپن کو بڑی شدت سے یاد کیا ہے۔ نظم کا آغاز دیکھئے:

رنگ مٹی کا وہی ہے مری مٹی جیسا
دور تک پھیلے ہوئے ہیں وہی نیلے بادل
وہی تارے ہیں مرے ساتھ اجالا لے کر
وہی سورج جو نکلتا تھا مرے آنگن میں
مرے ہمراہ وہی چاند چلا آیا ہے
اور جگنو کے چمکنے کی ادا بھی ہے وہی
مرے پیاروں کا محبت بھرا انداز وہی

☆ ان کی نظم 'چناب کا کنارہ' بھی اسی انداز کی نظم ہے بچپن کی یادیں' اپنے شہر کی فضائیں' وہی نظارے' ہوائیں' موسم' مناظر فطرت' کھلونے' ماں' قریبی مسجد سے بلند ہوتی ہوئی اذات کی آواز۔ فرحت نے اپنی ماضی کی البم کی متعدد تصویروں کو اتنی خوبصورتی سے قلمبند کیا ہے کہ ان کے بچپن کا پورا تصویری خاکہ آنکھوں کے آگے سج جاتا ہے اس کا مطلع اور آخری شعر دیکھئے:

کوئی ڈوبتا سا سورج٬ کوئی شام کا نظارا

مجھے یاد ہے ابھی تک٬ وہ چناب کا کنارا

میں نہ بھول پائی اب تک٬ وہ مکان اور گلیاں

مجھے اب تلک نہ بھولا٬ وہی آشیاں ہمارا

(ان نظموں میں پہلی نظم معرا نظم ہے جبکہ دوسری نظم غزل کے انداز کی پابند نظم ہے)
''چناب کا کنارا'' کا صوتی آہنگ (متفاعلن فعولن متفاعلن فعولن) لفظوں کے حرکی نظام سے جو خوش آہنگی پیدا کرتا ہے قاری اس سے متاثر ہوتا ہے۔

☆ ''مس کال'' miss Call بھی مثلث کی ہیت میں ان کی لکھی ہوئی ایک اور خوبصورت نظم اس کا آہنگ بھی خوب ہے فاعلن فاعلن فاعلن فاعلن ......
اس کا پہلا بند دیکھئے:

آج برسات بھی کس قدر رو گئی

تیری مس کال میں جو کمی ہو گئی

تیری چاہت نہ جانے کہاں کھو گئی

تین تین مصرعوں کے دس ہندسوں کی یہ نظم آخر میں ایک اکیلے شعر پر ختم ہوتی ہے آخری بند اور یہ اکیلا شعر دیکھئے:

تیرے جذبوں میں پہلی سی شدت نہیں

اور ترے پیار میں وہ حلاوت نہیں

اب مرے واسطے تجھ کو فرصت نہیں

مجھ کو اک روز فرحتؔ بھی مل جائے گی
میرے دل کی کلی بھی تو کھل جائے گی

☆'آزادی'......فرحت کی اور نظم ہے اس کی ہئیت غزل مسلسل کی ہے اس کا پہلا اور آخری شعر دیکھئے:

لہو سے لکھ رہے ہیں ہم کوئی تحریر برسوں سے
مگر نہ زخم بھرنے کی ہوئی تدبیر برسوں سے

بہت برسوں سے جس گھر میں ٹھکانہ ہے مرا فرحتؔ
بڑے کمزور ہیں چھت کے مرے شہتیر برسوں سے

یہ نظم وطن عزیز کی سیاست کی خونچکاں احوال نامہ ہے ایک نامکمل آزادی کا دکھ' تعیمر کی کوشش' آزادی کے ثمرات کے خواب خواہشوں کا ماتم' باہمی عداوتیں' تفرقے' آپس کی عداوتیں' بے کار جنگوں میں الجھانے والی حکومتی پالیسیاں' کشمیر کا مسئلہ' کتنے مسائل ہیں جن میں ہم الجھے ہوئے ہیں۔ اس نظم کے آخری شعر میں فرحت نے جس طرح وطن کی روز افزوں شکست و ریخت' زوال اور برباد ہوتے معاشرے کا نقشہ کھینچا ہے اس سے کوئی دردمند پاکستانی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ وطن سے دور رہتے ہوئے شاعرہ نے جس دکھ کو محسوس کیا ہے وہ اس کی وطن سے محبت کی علامتہے ۔فرحت کی طرح اور ہزاروں لاکھوں ایسے ہیں جن کا مستقبل اب وطن سے محبت کی علامت ہے فرحت کی طرح اور ہزاروں لاکھوں پاکستانی ایسے ہیں جن کا مستقبل اب وطن سے دور' دوسرے ملکوں سے وابستہ ہے مگر جن کی جڑیں اپنی زمین

سے جڑی ہوئی ہیں۔ ان کا وطن کو دیکھنے کا تناظر ہم سے بہت مختلف ہیں وہ اپنے ماحول کو بھی دیکھتے ہیں جس میں رہ رہے ہوتے ہیں اور جس کے سماجی ثمرات اور معاشرتی فلاح کے منظر ان کی نظر میں ہوتے ہیں جب وہ وطن عزیز میں اس امن' آسودگی اور شہری سہولیات کا فقدان دیکھتے ہیں' تو ان کا دل خون کے آنسو روتا ہے۔ یہ نظم اسی دکھ کی عکاس ہے۔

☆ 'بپھرے دریا' ...... ان مصائب کے اظہار پر مشتمل ہے جنہیں علامہ اقبالؒ نے دختران گیتی ایام سے تعبیر کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

زلزلے ہیں' بجلیاں ہیں' قحط ہیں' آلام ہیں
کیسی کیسی دختران گیتی ایام ہیں

انسان ان کے سامنے بے بس ہیں۔ آج انسان بہت ترقی یافتہ ہے لیکن اب بھی وہ ان آفات کے سامنے بے بس ہے۔ فرحتؔ نے 'بپھرے دریا' میں بڑی شدت کے ساتھ سیلاب کی ہولناکیوں کا ذکر کیا ہے۔ وہ کہتی ہیں:

ہم پہ لے آئے ہیں سیلاب قیامت کیا کیا؟
جانے کس جرم کی پاداش ہیں بپھرے دریا!
آج دریا وہ چڑھے ہیں کہ قیامت مولا!
حشر کیسا ہے یہ کیسی ہے اذیت مولا!

یہ نظم شعر بہ شعر اندتے پانی کی شدت اور اس کے سامنے انسان کی بے بسی کا اظہار کرتی ہے۔

☆ ''عید کا دن'' فرحت ہی نہیں سارے تارکین وطن کیلئے اداسی لئے

ہوئے ہوتا ہے۔ یہ اس کیفیت کا بیان ہے جس سے سب تارکین وطن عید کے دن گزرتے ہیں۔ وہ اس خوشی کے موقع پر بھی اپنے سے بہت دور غربت و بے وطنی کی اداسی کے تجربے سے گزر رہے ہوتے ہیں۔ یہ ایک فطری حقیقت ہے کہ آدمی کے خارج میں جتنی خوشی ہو اس کے اندر کی اداسی اتنی ہی شدید ہو جاتی ہے۔ بقول فرحتؔ:

عید کے دن نہ ملی کوئی بھی فرحتؔ مجھ کو
راس آئی نہ کوئی عید کی راحت مجھ کو

☆ 'اے ماں'......فرحتؔ کی ڈرامائی نظم ہے۔ یہ ماں سے محبت کیلئے جدا ہو جانے والے بیٹے کا خط ہے۔ یہ بیٹے کی طرف سے ادا کئے گئے جذبات کا پرسوز اظہاریہ ہے۔ یہ نظم فرحتؔ کی دوسری نظموں سے اس اعتبار سے مختلف ہے کہ اس کا بیانیہ ڈرامائی ہے۔ نظم متحرک امیجز کا تسلسل ہے اور قاری اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

☆ 'امجد مرزا امجد'......ان کے مجموعہ کلام 'ہوائے موسم دل' پر منظوم اظہار خیال ہے جو خراج تحسین لئے ہوئے ہے۔ یہ نظم غزل کے فارمیٹ میں ہے۔ پہلے دو شعر دیکھئے:

خیال و خواب سے نکھری ہوائے موسم دل
ہے انبساط میں لپٹی ہوائے موسم دل
کہیں خوشی کے سفینوں پہ رقص کرتی ہوئی
کہیں دکھوں میں ہے ڈوبی ہوائے موسم دل

☆'مسکرا کر ہمیں آج رخصت کرو' ...... آرمی پبلک سکول پشاور میں دہشت گردوں کے ہاتھوں شہید ہونے والے بچوں کی آواز کا اظہار ہے۔ بچوں کی دردبھری آواز' رلانے والا وہ اظہار یہ ہے جس نے سینکڑوں ماؤں کی گودوں کو ویران کردیا۔ یہ مصرعے دیکھئے:

آج ایسی خدارا نہ حالت کرو
مسکرا کر ہمیں آج رخصت کرو
یوں نہ گھبراؤ تھوڑی سی ہمت کرو
مسکرا کر ہمیں آج رخصت کرو

☆'ظلم کی داستاں' ...... دہشت گردی کا بیان ہے جس میں پیارے ملک کی تاریخ گزشتہ ربع صدی سے جکڑی ہوئی ہے۔

☆زلزلہ زدہ شہر' ...... بھی ایک دلدوز نظم ہے جسے پڑھتے ہوئے بالاکوٹ کے اندوہناک زلزلے کا نقشہ آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔

☆'سراغ راہگزر ...... اس مجموعے کی آخری نظم ہے۔ اس کے پہلے اور آخری شعر دیکھئے:

میں ہوا پہ رکھا چراغ ہوں
میں اجاڑ سا کوئی باغ ہوں

نہ سراغ فرحت دل ملا
نہ ہی پھول راہ میں ہے کھلا

یہ نظم رومانی محسوسات اور محبت سے بھرے ہوئے جذبات کی عکاس ہے۔

اسے ایک خوبصورت اور رومانی نظم سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ یہ ساری نظمیں جن کیفیات کی ترجمان ہیں ان کے تفصیلی جائزے کی ضرورت ہے مگر طوالت کے خوف سے یہاں صرف ان کے مضامین کی نشاندہی کی گئی ہے۔

بہ حیثیت مجموعی فرحت فرزانہ کی نظمیں ایک علاحدہ رنگ اور آہنگ لئے ہوئے ہیں اور ایک جداگانہ مطالعے کی متقاضی......ان نظموں کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ غزل کے حوالے سے معروف ہونے والی فرزانہ فرحتؔ نے نظموں میں بھی خوبصورت تجربے کئے ہیں۔

ریاض مجید

نسائی لب ولہجہ میں ایک خوشگوار اضافہ!

بساطِ اردو ادب کو اگر بہ نظر غائر دیکھا جائے تو ہمیں اس نا قابلِ تردید حقیقت کو تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ معدودے چند ایک کے علاوہ جن میں نور جہاں، سیف، قلو پطرہ اور جھانسی کی رانی وغیرہ نے نسائی لب ولہجہ میں فکر و خیال کے گھوڑے بقدرِ استعداد وتوفیق دوڑائے۔ بایں ہمہ ان مستورات کی ادبی کاوشیں کبھی بھی کلیہ نہ تسلیم کی گئیں۔ بہ الفاظ دیگر ان تمام تر شاعرات کی قلبی وارداتوں اور احساسات کو مردوں نے کبھی نظرِ استحسان سے نہ دیکھا۔ وجوہات کچھ بھی رہی ہوں لیکن یہ بات تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں کہ ماحول کی ناموافقت معاشرتی وسماجی پابندیاں اور بطور خاص حصولِ علم کی راہ میں دشواریاں اور رکاوٹیں نسائی لب ولہجہ کو پنپنے کا موقع نہ فراہم کرسکیں۔

ادبی منظر نامہ پر بہ استثنائے چند اس صفِ اظہار پر مردوں کا تسلط ہی برقرار رہا۔ بلکہ صنفِ لطیف کو اس کی اصل صورت اور اہمیت سے ہی مذکورہ نہ کیا گیا اور نہ ہی

اس دبی ہوئی چنگاری کوکسی پہلو سے بھی منصۂ شہود پر لانے کی زحمت گوارا کی گئی۔ اس افراط وتفریق کا نتیجہ یہ ہوا کہ نسائی لب ولہجہ وتاثرات قصرِ گمنامی میں پڑ گئے اور رفتہ رفتہ حالات و واقعات کی ایسی دھند آلود فضا مسلط ہو گئی کہ بظاہر نسانی جذبات و محسوسات کے اظہار کے تمام وسائل مفقود دکھائی دینے لگے۔

حتیٰ کہ صیغۂ تانیث کو اپنے فکری تجربوں میں بیان کرنے سے بھی اغماض برتا گیا۔ عرب شعراء وانشاء پردازوں نے اس روایت سے ہٹ کر اپنا جدا راستہ اختیار کیا اور اپنی محبوبہ کے حسن و جمال کا چرچا سرِ بازار بھی کیا اور یہاں تک کہ اس کے خدوخال کو بھی کھول کر اپنے خیالات کا حصہ بنایا۔ عرب سے ایران تک کا یہ حسین و دل نواز سفر جس میں غزل تشبیب سے کٹ کر ایران میں داخل ہو گئی جہاں یہ امرویت کا شاخسانہ بھی بنی۔

اردو میں غزل کا ورود براہِ راست فارسی کا مرہون منت ہے اپنے تمام اجزائے ترکیبی کے ساتھ یہ انوکھی مگر دلپذیر ہجرت ثابت ہوئی۔ سرِ دست ہمارے روئے سخن نسائی لب ولہجہ ہے اردو شاعری پر مردوں کے تصرف سے دامن چھڑا کر انیسویں صدی میں عورتوں نے مخصوص مگر دبے انداز میں سہی لیکن اپنے دلی جذبات کا اظہار شروع کر دیا تھا۔

خواتین شاعرات کا یہ سیلاب اپنے ساتھ نئے نسائی اسلوبِ اظہار کی بوقلمیوں کو بھی بہا کر لایا۔ بیسویں صدی کے آتے آتے تعلیمِ نسواں عام ہو چکی تھی حق بہ حقدار رسید کا عملی نمونہ کا مظاہرہ ہونے لگا۔ ہمارے دور میں اگر اس سیلِ شاعرات کا معیاری جائزہ لیا جائے تو نتائج اگرچہ خوش آئند نہیں ہیں۔ معیار کے اعتبار سے

صورتِ احوال خاصی دگرگوں ہے۔ تاہم دورِ فصلِ حاضر جاریہ میں ایسی بھی چند خواتین شاعرات ہیں جن سے ادب کا کچھ بھرم قائم ہے۔ جنہوں نے بقدرِ استعداد جو بقدرِ بادام ہی سہی اپنا حصہ ڈالا جن میں ادا جعفری، شبنم شکیل، شاہدہ حسن، کشور ناہید پروین شاکر، فہمیدہ ریاض کے نام قابل ذکر ہیں

کاروانِ ادب خواتین میں ایک اور نام جو نہایت معزز اور اپنی انفرادیت اور انوکھے طرزِ اظہار کیلئے قبولِ عام رکھتا ہے فرزانہ فرحت کا ہے۔ جو پوری تخلیقی توانائی لئے ہوئے ہے۔ شعور و آگہی کا یہ چراغ پوری آب و تاب سے جگمگا رہا ہے اور وثوق سے ماضی اور حال کی کسی بھی نسائی آواز سے شاعرہ کا تقابل کیا جا سکتا ہے۔ یہ تخلیقی ارتعاش، گدگداہٹ اور منفرد و خداداد اسلوبِ اظہار کی ظاہری حدو قیود کا قائل نہیں۔

فرزانہ کا کلام اپنی اثر انگیزی، دل پذیری اور موضوعاتی تنوع کے اعتبار سے کسی گنجینۂ لفظ و معنی سے کم نہیں۔ لسانی اعتبار سے مشولات سادہ و عام فہم ہیں مگر معنی آفرینی میں اپنا جہانِ دگر رکھتی ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ کیجئے!

آبلہ پائی کے رستے کا ہمیں خوف نہیں
ہم تو کانٹوں پہ ہی رکھ رکھ کے قدم چلتے ہیں

ذرا سی ٹھیس سے ٹوٹا ہے
یہ دل ہے یا کوئی شیشہ ہوا ہے

آنسوؤں سے نہ ہم پر قیامت کرو
مسکرا کر ہمیں آج رخصت کرو

دوستی کے نام پر دیکھی ہے میں نے دشمنی
آستیں میں سانپ دیکھے آج بھی پلتے ہوئے

آج بھی دیکھی اداسی کی فضا فرحتؔ کے ساتھ
آج بھی دیکھا خوشی کو ہاتھ ہی ملتے ہوئے

فرحتؔ اداسیوں کا بسیرا سا ہے یہاں
کیسا عجیب درد ہے دل میں بسا ہوا

بیباکئ خیال اور پختگئ اظہار فرزانہ فرحت کا طرۂ امتیاز ہے۔ اس ضمن میں پوشیدہ نہ رہے کہ یہ رازِ بستہ مجھ پر بدیر کھلا کہ موصوفہ فی البدیہہ اشعار کے باب میں یدِ طولیٰ رکھتی ہیں۔ ایک ہی نشست میں بیسیوں نہیں بلکہ سینکڑوں اشعار بلا مبالغہ کہنے پر ملکۂ کاملہ رکھتی ہیں۔ اس کا مشاہدہ خود راقم نے بارہا کیا۔ معلو ہوتا ہے کہ گویا بقولِ غالب:

آتے ہیں غیب سے یہ مضامیں خیال میں

ہم جانتے ہیں کہ ادب کی قدریں تمام تر غیر جامد ہوتی ہیں۔ معاشرتی تغیر اور فکری بالیدگی اظہار و خیال کی وسعت درجہ بہ درجہ اس میں تبدیلی و تغیر کا باعث بنتی

ہے۔

فرزانہ فرحت کا کلام اپنی ہیتِ ظاہری، فنی تشکیل اور تکنیکی لحاظ سے دلکش اور پختہ ہے۔ مفکرانہ سوچ نے بلند تخیل سے مل کر کلام میں حیرت انگیز جاذبیت اور کمال سحر انگیزیت بھر دی ہے۔ یہی اوصافِ سخن قاری کو دورانِ مطالعہ ایسی سرمستی اور کیف سے دوچار کرتے ہیں کہ جن کا بیان راقم کے حیطۂ تحریر سے باہر ہے۔

آپ کے یہاں شبِ غم کی پرستاری نہیں لیکن زہرِغم سے وابستگی اور ارادت ملتی ہے۔ لطافتِ بیان، روحِ نشاط اور ذہنی انبساط جو دنیا و مافیہا کی لطیف ماوریت کے خودساختہ خول سے باہر نکلنے میں مددگار و معاون ہوتے ہیں۔ فرزانہ کے یہاں ایسے تجربات کا مشاہدہ ناگزیر نہیں ہے۔

آہنی پنجرے کے اندر قید ہیں پنچھی کئی
ہیں کئی پرواز میں ان آشیانوں سے پرے

کس طرف فرحت نکل آئی ہیں یوں چلتے ہوئے
کڑکڑاتی دھوپ ہے ان سائبانوں سے پرے

چاہت کا آشیانہ گرانے سے پیشتر
مجھ کو ہنسا رہے ہو رلانے سے پیشتر

دل میں مرے کھلے تھے محبت کے سب گلاب
اس موسمِ بہار کے آنے سے پیشتر

کھلی جو آنکھ وہی نفرتوں کا منظر تھا
میں سو رہی تھی محبت کے خواب اوڑھے ہوئے

فرحتؔ عجیب شور ہے یہ چار سو مرے
ہے شور بجلیوں کا گھٹاؤں کا شور ہے

شاعرہ نے نمودِ تلخئ حیات کے ماورائی اندازِ نظر سے مشاہدہ کرتے ہوئے سوزشِ حیات و روزگار کو بہ الفاظِ دیگر لکھا ہے جس سے کلام دوآتشہ ہو گیا ہے۔ جدید ذہن نے نسائی تجربات میں ایک نہایت اہم لفظی رچاؤ کا اضافہ کیا ہے جو انسانی فہم و ادراک کا نہ صرف آئینہ گر ہے بلکہ روحِ انسانی کی مخصوص کیفیات و احساسات کا مرہونِ منت بھی ہے۔

وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ فرزانہ فرحت کا ادبی منظر نامہ پاکیزہ خیالات' صالح روایات' گہرے تفکرات اور عشق و محبت کے حسین اور لطیف کیفیات کی علامت ہے جو ان کے مزید شعری مجموعوں کا پیش خیمہ ثابت ہوگا۔

مظفر احمد مظفر
لندن۔ برطانیہ

یہاں فرزانہ فرحت سے ستارے جگمگاتے ہیں

یہی قرطاس دوراں کے نشاں اکثر دکھاتے ہیں
صفِ شعرا سے اٹھتے ہیں جو انساں کو جگاتے ہیں

متاعِ در کے وارث شبِ تاریک میں جل کر
جگر کی آگ سے خوابوں کی تصویریں بناتے ہیں

تخیل کی اڑانوں میں ورا افلاک سے جا کر
پلٹتے ہیں تو انساں کو نئی راہیں سجھاتے ہیں

نہیں ممکن ہے دنیا میں قیامِ جاوداں پھر بھی
حیاتِ جاوداں آ کر یہاں کچھ لوگ پاتے ہیں

کہیں عسرت ،کہیں عشرت،کہیں ثروت، کہیں شہرت
جو ان سانپوں سے بچتے ہیں وہی منزل پہ جاتے ہیں

کہیں مصلوب ہو جائیں، کہیں محبوب ہو جائیں
حقیقت آشنا ہو کر یہ خود کو بھول جاتے ہیں

جنہیں فطرت نے بخشا ہے ہنر دل میں اترنے کا
اترتے ہیں وہ جس رن میں وہیں سکہ بٹھاتے ہیں

نہیں جچتی ہے طوفاں میں صدائے بے بسی ان پر
یہ پل کر تند موجوں میں رگ طوفان دباتے ہیں

بقائے حسن عالم کی ضمانت ہے تو ہے ان سے
یہ گلچیں سے محبت کے گلابوں کو بچاتے ہیں

تجھے اے کہکشاں کیسے میں محروم ضیا لکھ دوں
یہاں فرزانہ فرحت سے ستارے جگمگاتے ہیں

شاہین بھٹی

لاہور

نسوانی لہجے کی پاسدار غزل

اردو شاعری میں نسوانی لہجے کی توانائی اب مستحکم ہو چکی ہے۔ پروین شاکر سے لے کر پروین شیر تک خواتین کی ایک طویل فہرست ہے جو شعر و ادب کے حوالے سے اپنے افکار و نظریات کو اُجاگر کرنے میں پیش پیش ہے۔ ایک عرصہ سے خاتونِ خانہ کو معاشرے نے نہ صرف یہ کہ شرف قبولیت بخش دیا بلکہ سند افتخار بھی عطا کر دیا۔ زندگی خوابوں کی ڈگر سے ہٹ کر حقیقتوں کی شاہراہوں پر محو سفر ہے۔ خواتین اس سفر میں مسلسل رواں دواں ہیں۔ نہ دھوپ سے جلا جانے کا خوف ہے نہ آبلوں کا ڈر ہے۔ حوصلوں کی توانائی اور عزائم کی پختگی نے اس سفر کو سہل بنا دیا ہے۔ اب صنف نازک کسی مضبوط سہارے کے بغیر بھی جبر اور ظلم کی جنگ لڑنے کے لیے خود کو تیار رکھتی ہے اور کامیابی سے بھی ہمکنار ہوتی ہے۔

ہم یہاں فرزانہ فرحت کی شاعری سے متعلق گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔ فرزانہ فرحت انگلستان میں مقیم ہیں وہ اردو سے محبت کرتی ہیں اور شاعری کا دم بھرتی ہیں۔ شاعری کی اصناف میں نظم سے کم کم اور غزل سے انہیں شدید رغبت ہے۔ غزل جو اردو شاعری

میں اظہار کا سب سے موثر وسیلہ ہے ۔ اشاروں کنایوں کی پاسداری عمل ، ابہام وادراک کے پردوں میں رہ کر بہت نمایاں اور باحوصلہ کردارادا کرتی ہے ۔فرزانہ فرحت نے غزل کی اسی جسارت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنا مطمحِ نظر واضح انداز میں بیان کر دیا ہے۔

غربت میں پلی ہوں ،مرے سب خواب سادہ ہیں
محلوں میں نہیں ہے مرا رہنے کا ارادہ
نہ اطلس وکمخواب نہ ریشم کی تمنا
درکار ہے مجھ کو تری چاہت کا لبادہ

فرزانہ فرحت کی غزل میں کسی ہجر زدہ،غم کی ماری ، زندگی اور حالات سے ہاری ہوئی خاتون کے آنسواور فریادوفغاں کا عکس کم کم ہی نظر آتا ہے۔لیکن اپنے منفی حالات سے انہیں شکایت ضرور رہی اور یہ کوئی بے بسی کی بات نہیں۔انسان پہاڑ ہونے کے باوجود حالات کی ضربوں سے ٹوٹ جاتا ہے۔فرزانہ فرحت کے چند اشعار ان کی اسی کیفیت کا احساس دلاتے ہیں۔

عمر بھر چلتی رہی اور راستہ باقی رہا
میرے درد و غم سے میرا رابطہ باقی رہا
منزلوں کے درمیاں تھا راستہ اتنا طویل
کہ ہمارے درمیاں اِک فاصلہ باقی رہا

اس کے باوجود حوصلہ اپنی جگہ ،تخریب میں تعمیر کا پہلو ملاحظہ کریں

ہوائے تند گئی ہے جسے گراتے ہوئے
لگے ہیں مجھ کو زمانے وہ گھر بناتے ہوئے

زندگی غم سے عبارت ہے، دکھ درد انسانی زندگی کی وہ میراث ہے جس سے دامن کش نہیں ہوا جاتا۔غزل کی شاعرہ فرزانہ فرحت جب ان کیفیات سے دوچار ہوتی ہیں تو ان کا دل اپنے پورے درد کے ساتھ ان کی تخلیقی کارگزاریوں کا حصہ بن جاتا ہے ۔اس کا سبب بیان کرتے ہوئے وہ کہتی ہیں

اسی لیے مرے شعروں میں درد ہے اب تک
کٹی ہے عمر مری رنج وغم کماتے ہوئے

رنج وغم جیسی گراں قدر دولت کماتے وقت کوئی اگر ان سے ان کے حالات دریافت کرلیتا ہے تو ان کی آنکھیں چھلک پڑتی ہیں۔

دکھوں میں لپٹی ہوئی تھی یہ شاعری میری
میں رو پڑی تھی کسی کو غزل سناتے ہوئے

غزل کا یہی کمال ہے،غزل رلاتی بھی ہے اور ہنساتی بھی ہے۔غزل دامن میں پھول بھی بھر دیتی ہے اور دل میں خار بھی چبھو دیتی ہے۔فرزانہ فرحت کی غزل ان تمام احساسات کی عکاسی کرتی ہے وہ کہتی ہیں

میرے پیروں میں تو کانٹے ہی چبھے ہیں فرحتؔ
میرے اس باغ کی پھولوں بھری تو ڈال نہ دیکھ

سچ ہے پھول دیکھنے والوں کو کانٹے نظر نہیں آتے۔کانٹوں کا احساس تب ہوتا ہے

جب کانٹے اپنے نوکیلے وجود کے ساتھ روح کولہولہان کردیتے ہیں،فرزانہ فرحت کا احساس توانا ہے۔ان کے محسوسات کی دنیا جدا ہے۔وہ منظر کے پیچھے کا منظر بھانپ لیتی ہیں۔اورایک شعر کے ذریعے اس کا برملا اظہار بھی کردیتی ہیں۔یہ ان کی ایک غزل کا مقطع ہے جوان کی دوربینی کی گواہی دیتا ہے۔

زندگی میں خار ہیں فرحت اگر تو غم نہیں
مسکراتے لہلہاتے پھول ہیں خاروں کے بیچ

آئینہ اردوغزل کا ایک روشن استعارہ ہے۔نئے احساس کے حامل فنکار تخلیق سخن کے موسم میں آئینے سے نظرنہیں چرا سکتے۔وہ الگ الگ زاویوں سے آئینے کا جائزہ لیتے ہیں اوراس کے بدلتے کردار کولفظوں میں قید کر کے شعر کے بطن میں اتار دیتے ہیں۔فرزانہ فرحت کا احساس بھی نیا ہے۔ان کی فکر کے موسم بھی نئے ہیں ان کے سوچ کے زاویے بھی نئے ہیں،آئینے پرنظر ڈالتے ہوئے انہوں نے مختلف انداز کی تصاویر بنائی ہیں۔ایک تصویر یہ ملاحظہ کریں۔

جو اپنا تھا وہ اب ہوا اجنبی ہے
کہ دیوار پر آئینہ اجنبی ہے

ایک تصویراور ملاحظہ کریں قطعی منفرد انداز

شفاف آئینے پہ ہے تصویر سی بنی
مقبول ہو رہی ہے کوئی تو مری دعا

آدمی کا کردار بھی اس کے عمل سے ظاہر ہوتا ہے۔فرزانہ فرحت کے تعلق سے کہا جاتا ہے کہ وہ معتبر اور باوقار شخصیت کی حامل شاعرہ ہیں۔وہ انتہائی شائستہ ہیں،حلیم

الطبع ہیں۔ان کے دل میں انسانیت کا درد ہے۔کرب کے موسموں کا وہ خوب عرفان رکھتی ہیں۔وہ اپنے کردار،عمل سے محبتوں کی پاسدار ہیں۔ان کے دل میں نفرت کے لیے کوئی جگہ نہیں۔یہ مقطع ان کے حالات ونظریات کی غمازی کرتا ہے۔

کسی کے واسطے فرحتؔ برائی ہی نہیں سوچی
کہ میں نے نفرتوں سے اپنے دل کو پاک رکھا ہے

فرزانہ فرحت کی غزل کے ہنوز بہت سے پہلو ایسے ہیں جن پر روشنی ڈالی جاسکتی ہے لیکن اس کی ضرورت نہیں۔غزل کی خوبی یہی ہے کہ وہ پرت در پرت زندہ رہتی ہے۔اشاروں اور استعاروں کے توسط سے جب غزل بات کرتی ہے تو معنی ومفہوم کے الگ الگ پہلو نمایاں ہونے لگتے ہیں۔اس ضمن میں فرزانہ فرحت کی ایک غزل کے چند اشعار پر اپنی گفتگو مکمل کرتا ہوں۔اس غزل کی زبان، بیان، اسلوب اور کیفیت روایتوں کے بطن سے پھوٹ کر نئے احساس سے قارئین کو آشنا کرنے میں معاونت کرتی ہے۔ایک التجا،ایک فریاد،خودسپردگی کی کیفیت،ایک معصومانہ خواہش

صحرا سی پیاس ہوں، مرے ساون پلٹ کے آ
مجھ کو پکار اے میرے بچپن! پلٹ کے آ
گر تو نہیں تو کوئی بھی فرحت نہیں مجھے
مجھ سے خفا نہ ہو مرے ساجن پلٹ کے آ

ڈاکٹر نذیر فتح پوری

انڈیا

سوچ کے آسمان پر احساس کی قوس وقزح

کسی مفکر نے کہا ہے کہ اگر معاشرے میں کسی بھی طرح کی ناہمواری پیدا ہوتی ہے تو شاعر کی آنکھ سب سے پہلے روتی ہے۔شاعر سب سے پہلے اس دکھ کو محسوس بھی کرتا ہے اور پھر اپنے دل کی کیفیات کی ترجمانی بھی کرتا ہے۔اظہار کے وسیع و روشن اجالے کا سفر ایک بہت ہی کٹھن سفر ہوتا ہے۔شاعر تو بس اپنی دھن میں ایک پگڈنڈی پر گامزن رہتا ہے۔کبھی فصل گل کی تازی تازی خوشگوار ہوا اس کے چہرے سے ٹکراتی ہے اور کبھی اس پگڈنڈی پر چلتے چلتے کانٹوں سے اس کا دامن الجھ جاتا ہے۔ اس وقت میرے ہاتھوں میں فرزانہ فرحت کی غزلوں کا ایک نہایت ہی خوبصورت گلدستہ ہے جو اپنی سحر انگیز خوشبو سے ماحول کو معطر کر رہا ہے۔ایسی خوشبو جس سے احساس کی قوس وقزح سوچ کے آسمان پر رنگ و نور کی شعاعیں بکھیرتی ہے تو فکر کو وسعت کی نعمت گراں مایہ عطا کرتی ہے۔انہوں نے اپنے اردگرد کے ماحول سے متاثر ہو کر اس طرح اشعار کی شکل میں اس طرح اظہار ذات کیا ہے کہ ان کی شاعری زندگی اور زندگی کے اردگرد کے ماحول سے نہ صرف جڑی ہوئی محسوس ہوتی ہے بلکہ

ترجمانی کرتی ہے۔ان کے اشعار کے الفاظ نے ایک روشنی سی پھیلا دی ہے اوراپنی شاعرانہ رسائیوں کا بے حد متاثر کن مظاہرہ کیا ہے۔

فرزانہ فرحت نے کہیں کہیں پر دل کو چھو لینے والے احساسات اور جذبات سے بہت ساری تصویریں بنائی ہیں جو زندگی کی تلخیوں تجربوں اور خوبصورتیوں کا احاطہ کرتی ہیں۔ان تصویروں میں انسان کے چہرے پر بے بسی کی گھٹا چھائی نظر آتی ہے تو امید موہوم بھی کہیں کہیں دل کے دروازے پر دستک دیتی ہے۔یہی نہیں وہ فطرت کے حسیں مناظر کو شعری پیکر عطا کرتی ہے دریا کی لہروں سے اسکی نظر اٹکھیلیاں کرتی ہو یا جھرنے کی آواز اسکی سماعتوں کو معطر کرتی ہو وہ فطرت کی خوبصورتیوں کو کس سادگی اور دل کو چھو لیتے والے انداز میں صفحہ قرطاس پر بکھیرتی ہے۔

کوئی ڈوبتا سا سورج کوئی شام کا نظارا
مجھے یاد ہے ابھی تک وہ چناب کا کنارا
جہاں نیلے پانیوں پر مری تیرتی سی کشتی
وہ ہوائیں رقص کرتیں وہ ہنسی خوشی کا دھارا

اور پھر

عکس پا نی میں ہے یہ نور کا کیسا فرحتؔ
پانیوں میں بھی اتر آ یا ہے چلتا سورج

جبر واستبداد میں جکڑے ہوئے انسان کی بے بسی اور پھر بے بسی کے عالم میں ذوقِ نظارہ کی خواہش،امیدِ واثق،شوقِ جستجو اور حالات سے سمجھوتہ کی عمدہ مثال ہے۔

اے میرے صیاد اس کمرے کی کھڑکی کھول دے

میں نے دیکھا ہی نہیں ہے ان مکانوں سے پرے

یہ فقط شعر ہی نہیں بلکہ ایک تصویر جس میں چاروں جانب شامِ غم مسلط ہے ایسے میں وہ دست دعا بلند کرتی ہے کہ وہ حسین اور زندگی دینے والے مناظر دیکھنا چاہتی ہے۔

میرے مالک مجھے روتے ہوئے بچے نہ دکھا

میری راہوں میں نہ ایسا کوئی منظر آئے

اپنے تیئں ایک سانس لیتا ہوا فنکار واقعی اپنے عہد میں اس بات کا مکمل ثبوت دیتا ہے کہ وہ خود اور اس کا فن دونوں ہی زندہ ہے۔ یوں بھی درد کی چوٹ کے بغیر فن کا سرچشمہ کبھی بھی نہیں ابل سکتا ہے اور جب ایک حساس دل اپنے اردگرد کے ایک ایک راز سے آگاہ رہتا ہے تو یہ اگہی، حساسیت اور درر سے ملکر شعری تخلیق کا باعث بنتی ہے اور پھر یہ تو سچ ہے ہی کہ جس کے جگر میں جتنا خون ہوتا ہے اس حساب سے اس کے دامن میں لعل و گہر جمع ہونے لگتے ہیں۔ فرزانہ کی شاعری انہی لعل و گہر کو احساس کی ریشمی ڈوری میں پرونے کا نام ہے۔

ان کی غزلیں سادگی و پرکاری کے باعث ایک الگ پہچان رکھتی ہیں۔ وہ بڑی سے بڑی بات کو بھی نہایت آسانی سے کہہ جاتی ہیں۔ ان کی غزلیں تازہ کاری کا ایک شاہکار نظر آتی ہیں یعنی زبان و بیان، فکر و خیال، جذبہ واحساس کی ترجمانی کرتی ہوئی ان کی شاعری دل کے تاروں کو چھوتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ وہ جب اردگرد کے ماحول سے متاثر ہوکر رموز ذات سے آشنا ہوتا ہے تو اپنے اندر کائنات کی سی وسعت محسوس کرتا ہے تو فنکار کے افکار کی پرواز کی کوئی انتہا نہیں رہتی اور بے اختیار کہتا ہے۔

لے چلو مجھ کو صنم ان آسمانوں سے پرے

میں نے دیکھا ہی نہیں ہے ان جہانوں سے پرے

آسمانوں کی وسعت سے آشنائی اور رموز ذات کا ادراک رکھنے والی شاعرہ انسان کی بے بسی، مجبوری اور معاشی عدم استحکام کو دیکھ کر بے اختیار کہتی ہے

سوچتی ہوں دیکھ کر میں سنگ مرمر کے مکاں

بے مکاں بھی لوگ ہیں اونچے مکانوں سے پرے

انتہائی سادہ اور سلیس اسلوب میں ایک ایسی سچائی بیان کی ہے جس کا کوئی بھی شخص انکار نہیں کرسکتا۔معاشرے کا ایک نقشہ پیش کیا ہے۔جو اسے انسانوں کی مجبوریوں کا ایک منظر دکھاتا ہے۔اور وہ اپنے آپ کو وحشتوں کے خوف میں گھری ہوئی محسوس کرتی ہیں۔

کہنے کو روشنی کے مناظر ہیں چار سو

اور میں کہ وحشتوں کے کسی ڈر میں قید ہوں

فرزانہ فرحت کی نگاہوں سے گزرے ہوئے مناظر ان کے دل پر نقش ہو کر رہ گیئے ۔اور ان مناظر کے پسِ منظر میں پوشیدہ دکھ اور درد اس نے محسوس تو کیے تو خود کو بے بس محسوس کیا لیکن بے بسی ایسی کہ خود کو ان وحشتوں کے مناظر میں قید ہوتے ہوئے محسوس کیا۔جہاں حبس ہے بے چارگی ہے۔دل خون کے آنسو روتا ہے تو دل سے نکلی آواز پیامِ صبح اور نوید سحر بن کر اثر کرتی ہے جس سے نکلنا ایک شاعر کے لئے اتنا آسان نہیں ہے۔اس لئے کہ دل سے کہی ہوئی ہی بات جو ہے وہ کرامت بنتی ہے یہ صرف زبان سے کہی ہوئی بات نہیں ہے۔فرزانہ فرحت کے یہاں شعر میں جو سلیقہ

زبان و بیان ہے وہ مضمون آفرینی اور محاورہ و روزمرہ کا خوبصورت استعمال ہے۔ وہ اپنی نظروں میں سمائے ہوئے مناظر سے ہی اپنے اشعار تراشتی ہیں اور پھر ایک مکمل تصویر بنا کر آپ کے سامنے پیش کرتی ہیں۔ ان کی یہ کتاب شعر و ادب میں ایک قابل قدر اضافہ ہے۔ میں انہیں ان کی کتاب کی اشاعت پر دلی مبارکباد پیش کرتی ہوں۔

صوفیہ انجم تاج

امریکہ

آنسو۔۔۔گوہرانمول

جنوری غم کا ٹھٹھرتا ہوا موسم دے کر
پھر تری یاد کے سائے میں گزر جائے گا

سن دو ہزار کا ماہ جنوری مجھے کیسے بھول سکتا ہے۔یعنی بیسویں صدی کا آغاز ایسے ہی تھا جیسے ہم سب انسان چاند پر آباد ہونے جا رہے ہیں۔ میلینیم کا شور تھا، نئے برس کا چرچا تھا۔روشنیوں اور رنگوں کا ایسا سیلاب تھا جو کسی آنکھ نے پہلے نہیں دیکھا۔خوشی و مسرت کے رنگ ہر طرف بکھرے ہوئے تھے۔ ہر انسان یوں محسوس کر رہا تھا کہ جیسے میلینیم کا آغاز ہوتے ہی رنگ والم کے بادل چھٹ جائیں گے۔ دکھوں کے اندھیرے مٹ جائیں گے اور ہم اذیتوں کے تار تار لبادے اتار کر خوشیوں بھرے نئے لباس پہن لیں گے۔

خاص طور پر مغربی مما لک میں کرسمس اور نئے سال کی تیاریوں کا کیا ہی کہنا کہ جہاں ہر گلی ہر گھر ہر مقام خوبصورت روشنیوں اور رنگوں سے سجا ہوا ہوتا ہے۔ میں بھی نئے سال کا نظارہ دیکھنے کے لئے بے چین تھی۔ یہ جاننے کے لئے میں بھی بے قرار تھی کہ نئی صدی کی مسافت کیسی ہوگی۔

اور پھر دسمبر کی ٹھٹھرتی ہوئی شامیں آن پہنچی۔ برف بھری دھرتی کی فضائیں عطر بیز ہو گئیں۔خوشبوؤں میں بسے،خوبصورت لباسوں میں لپٹے سردی کی شدت سے بے نیاز حسین وجمیل چہرے کلبوں کا رخ کرنے لگے اور رات کے بارہ بجنے کا شدت سے انتظار کرنے لگے۔ایک ایک پل گنتے فضا میں نئے سال کا بگل بجا اور پلک جھپکتے ہی ہم نئی صدی میں داخل ہو گئے۔اس کے ساتھ ہی پٹاخوں کی گونج سے دھرتی کانپنے لگی ،آسمان دہل گیا اور روشنیوں اور رنگوں کے سیلاب سے فضا رنگین ہو گئی ۔کتنی کہکشائیں آسمان کے سینے پر بکھر گئیں۔

میں بھی گھر کی دوسری منزل پر شیشے کی کھڑکیوں سے لگی اس رنگ و نور کا نظارہ کرتی رہی۔ وہ تمام منظر پو پھٹنے تک اجالوں میں نہایا رہا۔اور پھر صبح ہوتے ہی دھند کے بادلوں میں لپٹی ہوئی نئی صدی اور وہی پرانی دنیا۔ نئے سال کی مبارک باد کے پیغامات وصول ہوتے رہے مٹھائیاں تقسیم ہوتی رہیں اور پھر وہی مشینی زندگی۔۔۔

میلینیم کا شور وغوغا ،قہقہے ،مسکراہٹیں ،موسیقی کی محفلیں ،اور پھر کلبوں میں ناچ گانوں کی رنگین فضائیں اور نہ جانے کیا کچھ تھا۔مجھے اتنا معلوم ہے کہ نئی صدی کا جنوری کا مہینہ شروع ہوا اور میرا دل بجھنے لگا۔میری آنکھوں میں بے وجہ آنسو رہنے لگے۔روح بے قراری رہنے لگی۔وجہ معلوم نہیں۔

ہاں ماہ جنوری کی تاریخ بدلتے بدلتے جب سترہ تک پہنچی ۔رات دس بجے بچوں کو سلانے کے بعد خود بھی سونے جا رہی تھی تو اچانک فون کی گھنٹی چیخ اٹھی میں نے جا کر فون اٹھایا تو دوسری طرف لندن سے میرے بھانجے کی آواز سنائی دی ،جو عمر میں میرے برابر ہے اور شوخ مزاج بھی ہے الٹے سیدھے مذاق کرنا بھی اس کا شیوہ ہے ۔اس نے کہا کہ میرے بھائی شمس الحق کو پاکستان میں کسی نے گولی کا نشانہ بنا دیا ہے۔شمس میرا بھائی جو مجھے اپنی جان سے زیادہ عزیز تھا میں یہ فقرہ نہ سن سکتی تھی اور نہ ایسی بات سوچ سکتی تھی۔

میں نے کہا کہ یہ کیسا مذاق کر رہے ہو اور غصے میں فون بند کر دیا۔فون کی گھنٹی دوبارہ بجی۔ پھر اس نے وہی بات کی اور کہا کہ یہ مذاق نہیں سچ ہے۔ایک حقیقت ہے ۔میرا پیارا بھائی اور بہترین دوست جو دنیا کے لئے ایک عظیم مسیحا ڈاکٹر شمس الحق طیب آرتھوپیڈک سرجن جس کے ہاتھ میں اللہ نے مسیحائی کی خاص طاقت رکھی تھی۔جس کی شخصیت میں کشش ،جس کے چہرے پر معصومیت ،جس کا دل انسانیت کے درد سے بھرا ہوا تھا۔دوسروں سے ہمدردی اور مہربانی جس کی سرشت میں شامل تھی۔جو کسی کی تکلیف پر تڑپ اٹھتا تھا۔کسی کے غم پر غمگین ہو جاتا تھا۔یعنی جس کو خدا نے فرشتہ بنا کر اس دنیا میں بھیجا تھا۔اس خوبصورت انسان کے ساتھ کوئی ایسا ظلم کیسے کر سکتا ہے یہ بات ناممکن تھی۔

سترہ جنوری ،صبح سے لیکر رات گئے تک وہ نہ جانے کتنے مریضوں کو زندگی کی نوید دے کر نکلا ہوگا۔ نہ جانے کتنے لوگ اس کی مسیحائی کے منتظر ہوں گے۔وہ مسیحا جس نے ایک چھ سالہ بچے کے کٹے ہوئے ہاتھ کو جوڑ کر اس کو تمام عمر کے لئے

معذور ہونے سے بچالیا تھا۔اور جس نے نہ جانے کتنے گھروں کے چراغ گل ہونے سے بچائے تھے۔

سردیوں کی کہرہ ذدہ رات، دور دور تک اس قدر دھند کا پہرہ کہ انسان سائے کی طرح چلتا دکھائی دے۔ ہاں اسی موسم میں وہ انسانوں کی خدمت کر کے ہسپتال سے باہر نکلا تھا چہرے پر جانے کتنے گھنٹوں کی تھکن تھی لیکن ہونٹوں پہ ہمیشہ کی طرح خوبصورت سی مسکراہٹ تھی۔

اچانک کسی آواز نے اس کے قدم روک دیے، مڑ کر دیکھا کہ کوئی معمولی کپڑوں میں ملبوس اس سے التجا کر رہا ہے کہ اس کی ماں بے حد بیمار ہے حالت خطرناک ہے اس کو مرنے سے بچا لیجئے۔ اپنی تھکن کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ڈاکٹر شمس الحق طیب نے اس شخص کو محبت سے اپنی گاڑی میں بٹھایا اور چل پڑا۔اسے کیا معلوم تھا کہ وہ سب کچھ کسی سازش کے تحت ہو رہا تھا راستے میں اس کی گاڑی کو دو اور آدمیوں نے روک لیا اور اس کے ہاتھ اور پاؤں باندھ کر گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بٹھا کر کچھ دور تک جا کر گولی کا نشانہ بنا کر شہید کر دیا۔وہ خبر کسی قیامت سے کم نہ تھی۔ میلینیم کی تمام خوشیاں جل کر راکھ ہو گئیں۔آسمان کے ستارے ٹوٹ کر زمین پر آ گرے۔کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس جیسے فرشتے کے ساتھ کوئی ایسا ظلم کیسے کر سکتا۔ میں سوچتی رہی کہ ہوسکتا ہے کہ میں نے کوئی گھناؤنا خواب دیکھا ہو۔لیکن اس بات پر فخر کرتی ہوں کہ میرے نوجوان بھائی نے مسیحائی کے رشتے سے وفا کرتے ہوئے اپنی جان قربان کر دی اور شہادت کا جام نوش کیا۔

میلینیم کی خوشیاں راکھ بن کر بکھر گئیں۔جنوری کے سارے رنگ لہو کے

لال رنگ میں تبدیل ہو گئے۔ چاند کی چاندنی تاریک شب کی نظر ہو گئی اور سورج کا اجالا سیاہ ناگ بن کر ڈسنے لگا۔

مجھے راتیں لمبی اور دن بوجھل محسوس ہونے لگے غم کے بادل تھے کہ چھٹتے ہی نہ تھے ۔اشک رواں کی نہر جو کبھی دامن کو بھگوتی تو کبھی مجھے اپنی لپیٹ میں لے کر کہیں دور لے جاتی ۔وقت کا پہیہ آگے کی طرف بڑھتا چلا گیا۔زندگی کے معمول کی مصروفیات سے فارغ ہوتی تو پھر درد کے سمندر میں ڈوب جاتی ۔مہینوں پہ مہینے اور سال پہ سال گذرتے چلے گئے وقت زخموں پر مرہم رکھتا تو کبھی زخم مرہم کے اثر کو قبول نہ کرتے ۔ نجانے میرے اندر کیوں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ میں اپنے عظیم بھائی کو منظوم خراج تحسین پیش کروں۔ میں نے کبھی شعر نہیں کہا تھا۔لیکن جذبات کی شدت اور ٹوٹے دل کی فریاد بارگاہ ایزدی میں قبول ہوئی اور میں نے چند اشعار لکھے۔ یہ میری پہلی کاوش تھی ۔ میں شاعری کے اصول وضوابط سے بے بہرہ تھی ۔ پھر اسی نظم سے شاعری کا سفر آگے بڑھتا چلا گیا۔اور شاعری کے رموز اور اس کے اصول وضوابط سے بھی آگہی کی کوشش کرتی رہی ۔ وہ خدا جو ٹوٹے دلوں کو جوڑنے والا ہے اس نے میرے لئے تسکین کا سامان کر دیا اور میں اپنے جذبات کو شعروں میں ڈھالتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ میری پہلی کتاب ''بدلتی شام کے سائے'' 2010 میں شائع ہوئی جس میں اپنا درد ہی نہیں معاشرے کا درد بھی شامل تھا۔ اس کتاب کے پیش لفظ میں میں نے اپنی شاعری کے سفر کے حوالے سے ایک مفصل مضمون ''میری شاعری کا حیران کن سفر'' تحریر کیا۔ مجھے دنیا کے دکھ اور درد محسوس کرنے کی دولت عطا ہوئی۔ میں نے محسوس کیا کہ غم کے بادل چھٹ گئے ہیں۔اللہ تعالی کی ذات جس کے ساتھ حقیقی تعلق ہے جس کو

فنانہیں اسکے علاوہ سب تعلق فانی ہیں ۔ مجھے میری پہلی کتاب نے حوصلہ دیا اور ادبی
حلقوں میں اسے پذیرائی ملی ۔غم کے بادل چھٹ چکے تھے بےقراری کو قرار آ گیا۔اور
جب طوفان اور آندھیوں کے بعد تیز بارش ہوتی ہے تو جل تھل کا سماں پیدا ہو جاتا ہے
اور آسمان پر قوس قزح نمودار ہوتی ہے جس میں زندگی کے تمام رنگ ہوتے ہیں ۔ جو
آنکھوں کو دنیا کی خوبصورتی کا پیغام دیتی ہے ذہن کو تراوت ۔ کچھ ایسا ہی میرے
ساتھ ہوا۔ میں نے اپنے آپ کو ہلکا پھلکا محسوس کیا۔ مجھے زندگی اور دنیا اپنے تمام تر
دکھوں اور تکلیفوں کے باوجود خوبصورت دکھائی دینے لگی اور اور زندگی قدرت کا حسین
تحفہ۔میری آنکھوں نے خواب دیکھنے شروع کیئے ۔ یہ خواب میری زندگی کا جز ولاینفک
بن گئے میں اپنے خوابوں کی پوٹلی لے کر زندگی کی خوبصورت راہوں پر چلتی گئی ۔
میرے خواب مجھے خاردار اور دشوارگزار راستوں سے بھی گزرنے کا حوصلہ دیتے
۔قوس قزح کے تمام رنگوں کا عکس میرے دوسرے مجموعے ''خواب خواب خواب
زندگی'' میں ملتا ہے۔ میں انہی خوابوں کی جا گیر لیے کاروان حیات کا ایک مسافر ہوں
۔میرے گھرانے کے ہرفرد نے بلاتمیز میری کاوشوں کو سراہا لہٰذا مجموعہ زیرنظر'' آنسو''
کا انتساب اپنی چمن کی خوبصورت تتلیوں کے نام کیا میری پیاری بیٹیاں جنہوں نے
میرے انگن میں خوشیاں بھر دیں اور میرے شانہ بشانہ چل کر حق محبت ادا کیا۔ جنکی
محبت مجھے طاقت عطا کرتی ہے کتاب کا نام انسو تجویز کیا ہے میری شاعری کا سفر آنسو
سے شروع ہو۔ وہ انسو جو کبھی بھائی کے فراق میں بہائے تھے۔تو آنسوں سے میرا
رشتہ بنا۔ پھر یہی آنسو کبھی دعائے نیم شب میں میری سجدہ گاہ کو تر کر کے قرب الٰہی کا
موجب بنتے ہیں ۔تو کبھی خدائے عزوجل کی نعمتوں کا شکر ادا کرتے بے اختیار

آنکھوں سے رواں ہو جاتے ہیں۔اور کبھی میری کوتاہیوں کی بارگاہ ایزدی میں سفارش کرتے ہیں۔اور کبھی میری معصوم خواہشوں کو پورا کرنے کی غرض سے آسمان پر جا کر ہلچل پیدا کرتے ہیں۔آنسوؤں کے گوہر نایاب کا یہ خزانہ،میرے شعری مجموعے ''آنسوؤ'' کی صورت آپ کے ذوق مطالعہ کے لئے آپ کی نذر کرتی ہوں۔

فرزانہ فرحت

16فروری2019

حمد

جو دور رہ کر قریب تر ہے اسی کو دل کے قریب رکھنا
بلندیوں پر قدم جما کر بلند اپنا نصیب رکھنا

اگر کبھی تم بہت ہی چاہت سے نام رکھو تو یاد رکھو
نجیب رکھنا ، حسیب رکھنا ، خطیب رکھنا، مجیب رکھنا

رحیم ہے جو کریم ہے جو غفور ہے اور نور ہے جو
اُسی سے را ز و نیاز رکھنا اُ سی کو ہر دم حبیب رکھنا

جو جان و دل ہے جو دین و ایماں جو عہد و پیماں جو راہِ حق ہے
اسے مسیحا اُسے معالج اُسے بنا کر طبیب رکھنا

نہیں ہے اُس کا کوئی بھی ہمسر نہیں ہے کوئی بھی اس کا ثانی
بہت بڑا ہے گناہ دیکھو کسی کو اُس کا رقیب رکھنا

وہ راہبر ہے وہ رہنما ہے کہ ہم نوائی ملے گی اُس سے
وہی سہارا وہی کنارا اُسے ہی اپنا حبیب رکھنا

یقیں کی دولت ملے گی فرحتؔ جو اس پہ تم اعتماد رکھو
نہ وسوسے دل میں پال رکھنا نہ وہم دل کے قریب رکھنا

نعت

علاجِ غم کریں آقا مرے آنسو گہر کر دیں
مرے ویران گھر پر بھی محبت کی نظر کر دیں

ز مانے میں مسرت با نٹنے کو آپ نکلے ہیں
خوشی کا اک خزا نہ اس عقیدت کی نظر کر دیں

تھکن سے چور ہو ں لیکن سفر کچھ اور با قی ہے
مرے ہمراہ چل کر یہ مرا آساں سفر کر دیں

زباں بھی گنگ ہے آقا مرے الفاظ بھی گو نگے
دعائیں آپ دے کر میرے لفظوں میں اثر کر دیں

بچھے ہیں خار راہوں میں مرے دل کو نہیں راحت
مرے رستوں کو پھولوں سے بھری اک رہگزر کر دیں

مدینے کی گلی کی خاک سے مجھ کو ملے فرحتؔ
وہاں مجھ کو بلا کر میری ہستی معتبر کر دیں

غ

کہنے کو تو عاصی ہوں گنہگار بہت ہوں
لیکن تری رحمت کی طلبگار بہت ہوں

پھیلایا جو ہاتھ تو مانگا بھی ہے تجھ سے
مانگا نہیں دنیا سے کہ خوددار بہت ہوں

در پر ترے آئی ہوں جو ہے دل مرا رنجور
مولا میں اذیت میں گرفتار بہت ہوں

تو بخش دے مجھ کو کہ کرم مجھ پہ تو کر دے
معلوم ہے مجھ کو میں خطا کار بہت ہوں

خود اپنی ہی ہستی کو میں سمجھی نہیں اب تک
دنیا یہ سمجھتی ہے سمجھدار بہت ہوں

ہر رات کو میں نیند سے جاگی ہوں کئی بار
روئی میں دعاؤں میں تو ہر بار بہت ہوں

غربت ہے تو کیا ہے مجھے فرحتؔ ہے میسر
کچھ غم نہیں گر مفلس و نادار بہت ہوں



لے چلو مجھ کو صنم اُن آسمانوں سے پرے
میں نے دیکھا ہے اجالا دو جہانوں سے پرے

اے مرے صیّاد اس کمرے کی کھڑکی کھول دو
میں نے دیکھا ہی نہیں ہے ان مکانوں سے پرے

میری کشتی کے لئے کوئی نہیں ہے بادباں
اک کھڑا طوفان ہے اِن بادبانوں سے پرے

باغباں تیرے چمن میں ہے بہار آئی ہوئی
ہیں مگر سوکھے شجر بھی گلستانوں سے پرے

سوچتی ہوں دیکھ کر میں سنگِ مرمر کے مکاں
بے مکاں بھی لوگ ہیں اونچے مکانوں سے پرے

آہنی پنجرے کے اندر قید ہیں پنچھی کئی
ہیں کئی پرواز میں اُن آشیانوں سے پرے

کس طرف فرحتؔ نکل آئی ہوں میں چلتی ہوئی
کڑکڑاتی دھوپ ہے اُن سائبانوں سے پرے

غ

چاہت کا آ شیانہ گرانے سے پیشتر
مجھ کو ہنسا رہے ہو رلانے سے پیشتر

اپنی اداسیوں میں بھی میں مطمئن سی تھی
ان چاہتوں کا درد کمانے سے پیشتر

دل میں مرے کھِلے تھے محبت کے سب گلاب
اس موسمِ بہار کے آنے سے پیشتر

دل کے جو ٹوٹنے سے میں یوں غمزدہ ہوئی
اتنی نہیں تھی دل کو لگانے سے پیشتر

کچھ اس طرح سے ٹوٹے ہیں یہ میرے خواب دیکھ
سپنوں کا اک مکان بنانے سے پیشتر

دنیا نے خواہ مخواہ فسانہ بنا لیا
قصے کو میرے سننے سنانے سے پیشتر

کیسا عجیب شخص تھا میں سوچتی رہی
جو روٹھتا رہا تھا ستانے سے پیشتر

سورج بھی میرے پیار کا فرحتؔ بجھا ہے یوں
تاریکیاں ہیں رات کے آنے سے پیشتر

غ

میں چل رہی ہوں کہ جس پر نقاب اوڑھے ہوئے
زمین دور تلک ہے سراب اوڑھے ہوئے

ہیں مفلسوں کیلیئے خار کے جہاں بستر
وہاں امیر ہیں سوئے گلاب اوڑھے ہوئے

کھلی جو آنکھ وہی نفرتوں کا منظر تھا
میں سو رہی تھی محبت کے خواب اوڑھے ہوئے

بہت دنوں سے یہ دھرتی کے رنگ مدھم ہیں
بہار آئے کسی دن شباب اوڑھے ہوئے

عجیب رنج کا دورہ ہے چارسو میرے
ہیں میرے لوگ دکھوں کے عذاب اوڑھے ہوئے

اسی لئے تو اجالے ہیں ساتھ ساتھ مرے
کہ میں ہوں نور کی چادر جناب اوڑھے ہوئے

یہ سوچ کر نہ اٹھایا تھا سجدہ گاہ سے سر
مرا تھا عشق کا سجدہ ثواب اوڑھے ہوئے

لپٹ کے چاند کی کرنوں سے ہوں چلی فرحتؔ
اندھیری شب میں کوئی ماہتاب اوڑھے ہوئے

مٹی کی خوشبو

رنگ مٹی کا وہی ہے مری مٹی جیسا
دور تک پھیلے ہوئے ہیں وہی نیلے بادل
وہی تارے ہیں مرے ساتھ اجالا لیکر
وہی سورج جو نکلتا تھا مرے آنگن میں
مرے ہمراہ وہی چاند چلا آیا ہے
اور جگنو کے چمکنے کی ادا بھی ہے وہی
مرے پیاروں کا محبت بھرا انداز وہی
وہی لہجوں میں حلاوت وہی چہروں پہ خوشی
دیکھ کر جس کو مری آنکھ میں بھر آئی نمی
میں کہ اس بزم میں آ کر یہ کھڑی سوچتی ہوں

آج پردیس میں اپنوں کا سہارا پا کر
اجنبی دیس پرایا تو نہیں لگتا ہے

غ

بچھڑی ہوئی رُتوں کی جو یادوں کا شور ہے
گرداب میں گھری ہوں ہواؤں کا شور ہے

اے میرے راہبر مجھے کو ئی چراغ دے
تاریک رہ گزر ہے بلاؤں کا شور ہے

کیو نکر وفا کی آس رکھیں دشمنو ں سے ہم
بس دوستوں کی آج جفاؤں کا شور ہے

سنگیت کی صدا کہیں مرغانِ خوش نوا
جاری ہے ساز گیتی صداؤں کا شور ہے

فرحتؔ عجیب شور ہے یہ مرے چار سو
ہے شور بجلیوں کا گھٹاؤں کا شور ہے

غ

عمر بھر چلتی رہی اور راستہ باقی رہا
میرے درد و غم سے میرا رابطہ باقی رہا

وصل کی تدبیر ہوتی کس طرح سے جانِ جاں
تیرے میرے درمیاں جب تیسرا باقی رہا

منزلوں کے درمیاں تھا راستہ اتنا طویل
کہ ہمارے درمیاں اک فاصلہ باقی رہا

تیری یادوں کی ہے خوشبو میرے ہمراہ آج تک
بعد تیرے بھی ترا ہر نقشِ پا باقی رہا

تجھ کو یہ معلوم ہے کہ تجھ سے ہے فرحتؔ مری
پھر تری آنکھوں میں کیوں شکوہ گلہ باقی رہا

غ

ہوا ئے تند گئی ہے جسے گرا تے ہو ئے
لگے ہیں مجھ کو زما نے وہ گھر بنا تے ہو ئے

کبھی میں وقت کے پنچھی کو قید کر نہ سکی
جو اڑ گیا تھا مجھے آ ئینہ دکھا تے ہو ئے

اسی لئے مرے شعرو ں میں درد ہے اتنا
کٹی ہے عمر مری رنج و غم کما تے ہو ئے

دکھوں میں لپٹی ہوئی تھی یہ شاعری میری
میں رو پڑی تھی کسی کو غزل سنا تے ہو ئے

مری نظر اسے اب بھی تلاش کر تی ہے
بچھڑ گیا تھا جو اک دن مجھے رلا تے ہو ئے

کبھی تو ان کو حقیقت کا روپ دے جاؤ
میں تھک گئی ہو ں یہ خوابوں کے گھر بناتے ہو ئے

اسی لئے تو مجھے ہارنے کا خوف نہیں
میں جیت جا تی ہو ں اکثر شکست کھا تے ہو ئے

انہی دکھوں کی اذیت سے چور ہوں اب تک
مجھے جو وقت نے بخشے ہیں آ زما تے ہو ئے

ملا نہ آج تلک مجھ کو موسمِ فرحتؔ
پلٹ گئی ہے ہمیشہ بہار آتے ہوئے

چناب کا کنارہ

کوئی ڈوبتا سا سورج کوئی شام کا نظارا
مجھے یاد ہے ابھی تک وہ چناب کا کنارا
جہاں نیلے پانیوں پر مری تیرتی تھی کشتی
وہ ہوائیں رقص کرتیں وہ ہنسی خوشی کا دھارا
کوئی روشنی تھی شب میرے دل میں تھا اجالا
دمِ صبح کا چمکتا وہی چاند اور تارا
مجھے یاد ہیں ابھی تک مرے شہر کی فضائیں
وہ حسین میرا بچپن وہ شباب پیارا پیارا
مری شاعری میں اب تک وہ نہاں ہیں سارے قصے
وہی رتجگے کی باتیں وہی پیار کا اشارہ
مجھے یاد ہیں وہ اب تک مرے کھیل اور کھلونے
مری ماں کا قیمتی تھا وہ دعاؤں کا سہارا
وہاں گونجتی فضا میں وہ اذان کی صدائیں
مجھے یاد ہے وہ مسجد کا بلند سا منارا
میں نہ بھول پائی فرحتؔ وہ مکان اور گلیاں
مجھے اب تلک نہ بھولا وہی آشیاں ہمارا



آنکھوں میں کوئی خواب نیا جاگتا رہا
خوابوں کا میری نیند سے جب رابطہ رہا

بچپن کی جب حدود سے باہر نکل گئی
سایہ سا مجھ کو دور تلک دیکھتا رہا

گو میرے راستوں میں کھِلے تھے کئی گلاب
کانٹوں کا بھی سفر میں کوئی سلسلہ رہا

ہو تے رہے تھے مندمل پچھلے بھی میرے زخم
دل تھا کہ غم نئے بھی کو ئی پالتا رہا

اس کی ہر ایک بات کو میں مانتی رہی
وہ تھا کہ میری بات کو بس ٹالتا رہا

سورج کے ساتھ ساتھ رہا میرا کارواں
صحراؤں کے سفر میں مجھے حوصلہ رہا

فرحتؔ تمام عمر اداسی تھی میرے ساتھ
حسرت کا کوئی خار سا دل میں چبھا رہا



غربت میں پلی ہوں مرے سب خواب ہیں سادہ
محلوں میں نہیں ہے مرا رہنے کا ارادہ

نہ اطلس و کمخواب نہ ریشم کی تمنا
درکار ہے مجھ کو تری چاہت کا لبادہ

وعدے پہ ترے مجھ کو بھروسا تو بہت تھا
پورا نہ ہوا تیرا مگر ملنے کا وعدہ

دنیا وہ خوشی غم کا تماشا ہے کہ جس میں
خوشیاں ہیں زیادہ تو کبھی غم ہیں زیادہ

ملتا ہے مجھے چَین فقط یاد سے تیری
دیتے نہیں آرام مجھے ساغر و بادہ

فرحتؔ کے لیے پیار کا قطرہ ہے سمندر
تھوڑا سا ترا پیار بھی مجھ کو ہے زیادہ



درد میں ڈوبے ہوئے میرے مہ و سال نہ دیکھ
میرے ہاتھوں کی لکیروں میں مرا حال نہ دیکھ

تو جو دیکھے گا نجومی تو الجھ جائے گا
میری قسمت کے ستاروں کی ابھی چال نہ دیکھ

دیکھ اس دل کا یہ بے رنگ سا پھیکا موسم
میں نے اوڑھی ہے جو رنگوں بھری وہ شال نہ دیکھ

گر مرے دل میں ہے رنجش تو بیاں کر مجھ سے
اس مرے شیشۂ دل میں تو کوئی بال نہ دیکھ

میں خطا کار ہوں لاچار ہوں کمزور بھی ہوں
میرے مولا تو مرا نامۂ اعمال نہ دیکھ

دیکھ صیاد پرندوں کی تو اونچی پرواز
قید کرنے کو انھیں کوئی حسیں جال نہ دیکھ

میرے پیروں میں تو کانٹے ہی چبھے ہیں فرحتؔ
میرے اس باغ کی پھولوں بھری تو ڈال نہ دیکھ

مس کال

آ ج بر سات بھی کس قدر رو گئی
تیری مس کال میں جو کمی ہو گئی
تیری چاہت نہ جانے کہا ں کھو گئی

سو چتی ہوں کہ میں کتنی نا دان تھی
راستو ں کی اذیت سے انجان تھی
تیری الفت اگر میرا ایمان تھی

میں جو لفظوں سے اشعار بُنتی رہی
میں ترے پیار کے گیت سنتی رہی
پھول کلیا ں محبت کی چُنتی رہی

میں کہا ں سے کہا ں پھر نکل آ ئی تھی
اپنے خوا بو ں خیا لو ں سے شرما ئی تھی
تیری فرقت کے ڈر سے بھی گھبرائی تھی

مجھ کو تجھ سے بچھڑنے کا دھڑکا سا تھا
میرا دل بھی تو نازک تھا شیشہ سا تھا
جانے کیسا مجھے کو ئی دھو کا سا تھا

پھر کسی روز تو مجھ کو مل جا ئیگا
زخم ِدل اک نہ اک روز سل جائے گا
پیار کی شاخ پر پھول کھِل جائے گا

ایک دن میرا سپنا شکستہ ہوا
دیکھتے دیکھتے کیا سے کیا ہو گیا
تو جو اک روز یوں ہو گیا بے وفا

تیری الفت کے موسم بدلنے لگے
فرقتوں کے مجھے درد ملنے لگے
رنج و غم میرے ہمراہ چلنے لگے

مجھ کو راحت ملی نہ ترے پیار کی
نہ خبر تو نے لی اپنے بیمار کی
ہوش کچھ بھی نہیں ہار سنگھار کی

تیرے جذبوں میں پہلی سی شدت نہیں
اور ترے پیار میں وہ حلاوت نہیں
اب مرے واسطے تجھ کو فرصت نہیں

مجھ کو اک روز فرحتؔ بھی مل جائیگی
میرے دل کی کلی بھی تو کھِل جائیگی

غ

گئے موسم کی باتیں کر رہے ہیں
نئی رت سے بھی کچھ کچھ ڈر رہے ہیں

نہ جانے کس لئے ان بستیو ں میں
عجب سے خوف کے منظر رہے ہیں

لہو کے داغ کتنے ہیں زمیں پر
یہا ں لگتا ہے کچھ لشکر رہے ہیں

رہے ہیں تیرے بن جانم اگر ہم
بہت غمگین سے ہو کر رہے ہیں

بہت ہنستے رہے ہیں بزم میں ہم
ہزاروں درد بھی اندر رہے ہیں

اب آنسو تو نہیں آنکھوں میں شاید
مگر ہم دھیرے دھیرے مر رہے ہیں

برابر تو نہیں انساں زمیں پر
کوئی کمتر کوئی برتر رہے ہیں

تری چاہت کو پانے کے لئے ہم
صنم کب سے ریاضت کر رہے ہیں

سہے ہیں رنج میں نے زندگی بھر
مرے سپنے مگر سندر رہے ہیں

اگر نزدیک آئے ہیں تو کیا ہے
بہت ہم دور بھی ہو کر رہے ہیں

مرے دل کے یہ سارے خار فرحتؔ
لہو آنکھوں میں میری بھر رہے ہیں



اشکوں میں ڈھلا پر یہ زباں تک نہیں آیا
ورنہ تو یہ طوفان کہاں تک نہیں آیا

دنیا نے بہت کچھ ہے لکھا اہلِ جنوں پر
لیکن کوئی الزام یہاں تک نہیں آیا

تیرا جو عدو تیرے نشانے پہ کھڑا تھا
اچھا ہے ترا تیر کماں تک نہیں آیا

وہ عشق کی آتش تھی کہ جلتا رہا یہ جسم
شعلوں کا دھواں دل کے مکاں تک نہیں آیا

وہ میرے تعاقب میں تو آتا رہا برسوں
میں آج جہاں ہوں وہ وہاں تک نہیں آیا

دل میں مرے کچھ وہم بھی آتے رہے فرحتؔ
پر اس سے بچھڑنے کا گماں تک نہیں آیا



اس لئے میں نے نہیں شکوہ کیا حالات کا
بھر ہی جائے گا کسی دن زخم تیری بات کا

مدتوں چلتی رہی میں صبح کی امید میں
کٹ گیا آخر سفر اس تیرگی کی رات کا

دیکھ کر حیران نہ ہو تُو مرا سادہ مزاج
سادگی تو اے صنم حصہ ہے میری ذات کا

ٹھہر جا اے رات میں کچھ اور سپنے دیکھ لوں
ٹوٹ جائے نہ فسوں اِن خواب کے لمحات کا

میرے دل میں پیار کا موسم رہا ہے اس طرح
جس طرح صحراؤں میں موسم رہے برسات کا

جانِ فرحت اب بھی تیرے نام سے فرحتؔ ملی
اب بھی مجھ کو یاد ہے وہ لمس تیرے ہاتھ کا

آزادی

لہو سے لکھ رہے ہیں ہم کوئی تحریر برسوں سے
مگر نہ زخم بھرنے کی ہوئی تدبیر برسوں سے
بہا کر خون کی ندیاں ملی جو ہم کو آزادی
تو کیوں قدموں سے لپٹی ہے کوئی زنجیر برسوں سے
کئی برسوں سے الجھائے گئے ہیں ہم جو جنگوں میں
ملا ہم کو سکوں اور نہ ملا کشمیر برسوں سے
چلا ہے چاند تاروں پر کمندیں ڈالنے انساں
دلوں کو کر نہیں پایا مگر تسخیر برسوں سے
قفس سے ہم نکل کر آشیاں کیسے بنا لیتے
مکاں جبکہ ہوا نہ ہم سے اک تعمیر برسوں سے
وطن حاصل کیا تھا تو عداوت بھی بھلا دیتے
مگر ہیں نفرتوں کے خار دامن گیر برسوں سے
بہت برسوں سے جس گھر میں ٹھکانہ ہے مرا فرحتؔ
بڑے کمزور ہیں چھت کے مرے شہتیر برسوں سے



معصوم ہیں سا دہ ہیں کہ چا لاک ہیں آ نکھیں
چہرے کی مگر قیمتی پو شاک ہیں آ نکھیں

تم آ ج مری آ نکھ کی لالی پہ نہ جا ؤ
گز ری ہے کچھ ایسی ہی کہ نمناک ہیں آ نکھیں

جن آنکھوں میں رہتے تھے محبت کے مناظر
کیوں مجھے سے خفا اور غضبناک ہیں آنکھیں

آ نکھو ں سے چھلکتا ہے یہ حسرت کا تصور
جو درد بسا ان میں تو خاشاک ہیں آ نکھیں

فر حتؔ تری آ نکھو ں میں رہے پیار کی دولت
چا ہت کی یہ جا گیر ہیں املاک ہیں آنکھیں



چہرہ وہ مری آنکھ سے اوجھل نہیں ہوتا
یہ ایسا معمہ ہے کہ جو حل نہیں ہوتا

آنکھوں میں دھواں سا ہے یہ آنسو تو نہیں ہیں
صحراؤں کی مٹی میں تو جل تھل نہیں ہوتا

رہتا ہے ہمیشہ مرا ہر خواب ادھورا
افسانہ محبت کا مکمل نہیں ہوتا

جس دن مرا تجھ سے کوئی ہوتا نہیں ملنا
ایسا نہ سمجھ دل مرا بے کل نہیں ہوتا

بن بن کے بگڑ جاتے ہیں ہر رات مرے خواب
کیوں خواب مرا کوئی مسلسل نہیں ہوتا

فرحتؔ کو سماں خواب میں ملتا نہیں پیارا
سر پر جو ترے پیار کا بادل نہیں ہوتا



آنکھوں میں بس گیا ہے یہ منظر کوئی نیا
راضی صنم ہوا ہے تو راضی مرا خدا

میں جانتی ہوں یا مرا ہے جانتا خدا
میرا رہا ہے کس قدر دشوار راستہ

شفاف آئینے پہ ہے تصویر سی بنی
مقبول ہو رہی ہے کوئی تو مری دعا

عزت مجھے ملی مجھے اونچا ملا مقام
پہنچی بلندیوں پہ ہے جاکر مری صدا

مدت سے میرے ہاتھ میں یہ ہتھکڑی سی ہے
مدت سے تیری قید کا یہ در نہیں کھلا

تلوار ہاتھ میں نہیں پہنچی ہوں جنگ میں
بزدل نہیں ہوں تو مجھے اے وقت نہ ڈرا

فرحتؔ اداسیوں کا بسیرا سا ہے یہاں
کیسا عجیب درد ہے دل میں بسا ہوا

بپھرے دریا

ہم پہ لے آئے ہیں سیلاب قیامت کیا کیا
جانے کس جرم کی پاداش ہیں بپھرے دریا
آج دریا وہ چڑھے ہیں کہ قیامت مولا
حشر کیسا ہے یہ کیسی ہے اذیت مولا
کیسے منجدھار ہیں جو ہم کو سمونے آئے
غم کے دریاؤں میں ہم سب کو ڈبونے آئے
ناخدا ہے ہی نہیں ہم جو بھنور میں ڈوبے
آج بپھرے ہیں جو دریا تو سمندر روٹھے
کیسے نکلے گی یہ کشتی کہاں ہو گا ساحل
کیسے چھٹ پائیگا یہ درد کا گہرا بادل

کس طرح غم کا سمندر یہ ٹھہر پائیگا
کس طرح اپنی دعاؤں میں اثر آئیگا
ہم پہ جو آج قیامت سا قہر ٹوٹا ہے
ایسا لگتا ہے کہ اب ہم سے خدا روٹھا ہے
اس کی رحمت کو پکاریں کوئی فریاد کریں
شب کے سجدوں میں خدا کو تو ذرا یاد کریں
گر وہ چاہے گا تو طوفان یہ ٹل جائیگا
ایسے دلدل سے بھی انسان نکل جائیگا
دل کو فرحتؔ جو ملے گی تو قرار آئیگا
اپنی مخلوق پہ اللہ کو پیار آئیگا



صحرا سی پیاس ہوں مرے ساون پلٹ کے آ
مجھ کو پکار اے مرے بچپن! پلٹ کے آ

یہ زیست ہے محال مرے دل میں ہے ملال
خوشیوں کی اک گھڑی مرے آنگن پلٹ کے آ

زخموں سے چور ہوں اے مسیحا پلٹ کے دیکھ
کانٹوں سے ہے بھرا مرا دامن پلٹ کے آ

مرجھا گئے ہیں پھول خزاؤں کا راج ہے
اے موسمِ بہار آ گلشن پلٹ کے آ

گر تو نہیں تو کوئی بھی فرحتؔ نہیں مجھے
مجھ سے خفا نہ ہو مرے ساجن پلٹ کے آ



مت کہو ریاضت کا کچھ صلہ نہیں ملتا
اس کے در سے بتلاؤ تم کو کیا نہیں ملتا

دل کا صاف ہونا ہی شرط ہے عبادت کی
دل میں کھوٹ رہ جائے تو خدا نہیں ملتا

شکوہ و شکایت کو دل میں پال مت رکھو
چاہتوں کی دنیا میں تو گلہ نہیں ملتا

میرے چار سو کیسی ایک اجنبیت ہے
بھیڑ میں کوئی مجھ کو آشنا نہیں ملتا

لوگ جانے کتنے ہی دوست بن کے ملتے ہیں
دوست آجکل لیکن با وفا نہیں ملتا

چل رہی ہوں مدت سے جانے کس طرف فرحتؔ
مجھ کو اس مسافت میں راستہ نہیں ملتا



بستیاں اُجڑی ہوئی ہیں شہر ہیں جلتے ہوئے
میں نے دیکھا ہے خوشی غم کو گلے ملتے ہوئے

شام ہوتے سائے بھی رستہ بدلنے لگ گئے
میں نے سورج کو بھی دیکھا شام کو ڈھلتے ہوئے

آج بھی دیکھا دلوں سے اِک دھواں اُٹھتا ہوا
آج بھی دیکھے دلوں کے یہ مکاں جلتے ہوئے

دوستی کے نام پر دیکھی ہے میں نے دشمنی
آستیں میں سانپ دیکھے آج بھی پلتے ہوئے

ٹھوکریں کھاتے ہوئے انسان دیکھے آج بھی
زخم دیکھے آنسوؤں سے آج بھی دُھلتے ہوئے

آج بھی دیکھی اُداسی کی فضا فرحتؔ کے ساتھ
آج بھی دیکھا خوشی کو ہاتھ ہی ملتے ہوئے

عید کا دن

نہ گھڑی وصل کی آئی نہ ہوا عید کا دن
کیسا پھیکا سا رہا آج مرا عید کا دن

نہ ترے پیار کا منظر مری آنکھوں میں رچا
نہ کوئی رنگِ مسرت مرے لہجے میں بسا

نہ مرے نام ہی آیا ترا پیغام کوئی
نہ ترا مجھ کو ملا تحفۂ گمنام کوئی

نہ مقدر کے ستارے نے مرا ساتھ دیا
ہاتھ تو نے نہ شبِ ماہ مرے ہاتھ دیا

نہ سیاہ رات میں جگنو نے اجالا ہی کیا
نہ مری رات میں شمع نہ کوئی دیپ جلا

عید کے دن نہ ملی کوئی بھی فرحتؔ مجھ کو
راس آئی نہ کوئی عید کی راحت مجھ کو



میرے دل میں کو ئی خو شیوں کا سما ئے منظر
مجھ کو پل پل نہ کو ئی آ ج رلا ئے منظر

میری آ نکھوں نے جو مدت سے سجا ئے منظر
کس نے ڈھا ئے وہ سما ں کس نے مٹا ئے منظر

وہ مرے شہر جہاں پیار کی خوشحالی تھی
میں نے دیکھے ہیں لہو میں وہ نہا ئے منظر

میرے مالک مجھے روتے ہوئے بچے نہ دکھا
میری راہوں میں نہ ایسا کوئی آئے منظر

مجھ کو دکھلائے ہیں سپنوں نے مناظر کتنے
اب مرا خواب انوکھا سا دکھائے منظر

میرے رستے میں رہا ہے کوئی جلتا صحرا
مجھ پہ بادل کی طرح اب کوئی چھائے منظر

تیرے ہمراہ جو بھاتے تھے نظارے جانم
بن ترے اب وہی مجھ کو نہ لبھائے منظر

رنج و غم، درد و الم اور کبھی فرحتؔ کے
کیسے کیسے نہ مری راہ میں آئے منظر

غ

داستاں درد کی اشعار میں ڈھالی جائے
اس طرح پیار کی جاگیر سنبھالی جائے

اپنی آنکھو ں کو دکھا کر کو ئی اک خواب حسیں
دو گھڑی کو ہی سہی بزم سجا لی جا ئے

یہ ہے اک بز مِ سخن اس میں سخن ور آ ئیں
یا ں کو ئی جنگ کی صورت نہ نکا لی جا ئے

فیصلہ آ ج ہی ہو جا ئے کہ قصہ کیا ہے
آج کی بات مگر کل پہ نہ ٹالی جا ئے

آج محفل میں کوئی گیت سنانے کے لئے
کسی بلبل کسی کوئل کی ادا لی جائے

تیرے چہرے کی خوشی دیکھ کے میں سوچتی ہوں
اپنی ہر ایک غمی تجھ سے چھپا لی جائے

اب بھی میں چشمِ تصور سے اسے دیکھتی ہو ں
مرے پہلو سے یہ تصویر نکالی جائے

لوگ آ جاتے ہیں اس راہ میں رہزن بن کر
کس طرح عشق کی جاگیر سنبھالی جائے

ساتھ جینے کا تو یہ عہد کیا ہے لیکن
ساتھ مرنے کی بھی تدبیر نکالی جا ئے

عمر بھر کی ہے اجالوں کی تمنا فرحتؔ
پر مری زیست کی یہ رات نہ کالی جائے



نفرتیں پھیلی ہیں جبکہ اپنو ں اور پیاروں کے بیچ
رقص ہم کر نے لگے ہیں آ ج انگا رو ں کے بیچ

ہیں جہا ں اچھے وہا ں کچھ تو برے بھی لوگ ہیں
نیک بھی ہیں لوگ دیکھو ان گنہگا رو ں کے بیچ

فکر و فن کی شا عری میں نام لکھا ہے مرا
میں بھی شا مل ہو گئی ہو ں آج فنکا روں کے بیچ

آ ج انسانوں نے ڈالی ہیں کمندیں چاند پر
فاصلہ کوئی نہیں ہے آج سیّاروں کے بیچ

کون کہتا ہے نہیں کوئی غمِ دل کا علاج
آ گیا تجھ سا مسیحا آ ج بیماروں کے بیچ

زند گی میں خار ہیں فر حتؔ اگر تو غم نہیں
مسکراتے لہلہاتے پھول ہیں خاروں کے بیچ

اے ماں

(ماں سے ہمیشہ کے لیے جدا ہونے والے بیٹے کا پیغام)

مانا کہ رُلاتی ہے تجھے میری جُدا ئی
مانا کہ مقدر نے تجھے چوٹ لگائی

مانا کہ بہت دور ہو ں میں آ نہیں سکتا
میں تیرے لئے کو ئی دوا لا نہیں سکتا

مانا کہ تجھے میری صدا تک نہیں آ تی
مجھ کو ہے مگر ما ں تری آ واز بلاتی

آ دیکھ میں سورج کی شعا عو ں میں بسا ہو ں
میں بن کے اُ جا لا تری را ہو ں میں کھڑا ہو ں

اے ما ں تو مرے وا سطے غمگین نہ ہونا
تو غم کے سمندر میں نہ یوں خود کو ڈبونا

میں آ ج تری آ نکھ سے او جھل جو ہوا ہوں
تیرے لئے جنت میں مکاں ڈھونڈ رہا ہوں

تو مجھ کو ابھرتا ہوا اک چاند سمجھنا
اک روز ملوں گا تجھے امید یہ رکھنا

چمکوں گا میں ہر رات کوئی بن کے ستارہ
میرے لئے اشکوں کو بہانا نہ خدارا

کر خود کو تو اللہ کی مشیعت کے حوالے
تو اپنی مسرت پہ لگا آج نہ تالے

تیرے لئے فرحتؔ کا میں سامان کروں گا
میں تُجھ سے بچھڑ کر بھی ترے ساتھ رہو ں گا

غ

میری آنکھوں میں کوئی خواب انوکھے جاگے
جب مرے دل میں ترے پیار کے جذبے جا گے

پھر سیاہ رات مرے صحنِ چمن میں اتری
پھر مرے ساتھ مری روح کے چھالے جاگے

ہمسفر بن کے جو ہم ساتھ چلے تھے برسوں
میری تنہائی میں اس یاد کے لمحے جاگے

رات بھر تجھ سے خیالات میں باتیں کی تھیں
وقت جب جب وہ مرے ساتھ پرانے جاگے

کس قدر خواب مری آنکھ میں سوئے تھے مگر
میں جو سوئی تو مری آ نکھ کے سپنے جاگے

شہرِالفت کا کوئی باب کھلا نہ فرحتؔ
نہ مقدر کے مرے ساتھ ستارے جاگے



دل کی زمین درد سے سیراب دیکھنا
مضبوط تم مگر مرے اعصاب دیکھنا

دولت ہے درد کی تو کبھی چاہتوں کے پھول
راس آگیا ہے مجھ کو ترے خواب دیکھنا

میرے دکھوں کے ہونگے فسانے لکھے ہوئے
میری کتابِ زیست کے تم باب دیکھنا

سستے لباس میں بھی بہت مطمئن ہوں میں
میرے لئے نہ اطلس و کمخو اب دیکھنا

ابتک ہے یاد مجھ کو سمندر کا وہ سفر
ساحل کو دیکھنا کبھی گرداب دیکھنا

مجھکو ہیں یاد اب بھی جنوں خیزیاں تری
راتوں کو جاگ جاگ کر مہتاب دیکھنا

میں چاہتی ہوں آج اس نفرت کے دور میں
اپنی زمین پیار سے سیراب دیکھنا

چلتی رہی ہوں خار پر تعبیر ڈھونڈنے
آ تا نہیں ہے مجھ کو فقط خواب دیکھنا

ہوتا ہے بارہا یہ تماشا بھی عشق میں
اپنے دلوں کی کشتیاں غرقاب دیکھنا

میں نے تمہارے شہر کے دیکھے تو ہیں طریق
تم میری بستیوں کے بھی آداب دیکھنا

دنیا میں دیکھ آ ج کل فرحتؔ نہیں رہی
خو شیا ں ہوئی ہیں اس طرح نایاب دیکھنا

غ

مری قسمت بدلنا چاہتا تھا
مجھے وہ آج ملنا چاہتا تھا

ہوائیں ہی مخالف ہو گئی تھیں
مرا تو دیپ جلنا چاہتا تھا

لہو کے رنگ سے رنگیں زمیں کا
یہ منظر تو بدلنا چاہتا تھا

ملا تھا اک نیا ہی درد مجھ کو
مرا دل جب سنبھلنا چاہتا تھا

ہمارے بیچ حائل تھا زمانہ
وہ میرے ساتھ چلنا چاہتا تھا

مسیحا بن کے آتا کوئی فرحتؔ
کہ دل کا زخم سلنا چاہتا تھا

امجد مرزا امجد

کے مجموعہ کلام ''ہوائے موسمِ دل'' پر اظہارِ خیال

خیا ل و خواب سے نکھری ہوائے مو سمِ دل
ہے انبساط میں لپٹی ہو ائے مو سمِ دل

کہیں خوشی کے سفینوں پہ رقص کرتی ہو ئی
کہیں دکھوں میں ہے ڈوبی ہوائے موسمِ دل

گلی گلی میں سناتی ہوئی بہار کے گیت
چمن چمن میں ہے بکھری ہوائے مو سمِ دل

دلوں کے واسطے لائی پیام فرحتؔ کا
جہاں جہاں سے بھی گزری ہوائے موسمِ دل



یہاں جو اس قدر آہ و فغاں معلوم ہوتی ہے
کسی کے آنسوؤں کی داستاں معلوم ہوتی ہے

عجب ہی بے قراری ہے عجب ہے بے بسی دیکھو
کسی قاتل کے پنجے میں یہ جاں معلوم ہوتی ہے

مرا تم حوصلہ دیکھو کہ ہر اک گام پر منزل
مجھے گرد سفر اور بے نشاں معلوم ہوتی ہے

اگر ہے یہ مکانِ دل فقط اک سرد سا خانہ
تو شعلوں کی تپش کیونکر یہاں معلوم ہوتی ہے

نہ جانے کیوں میں رستوں کے بھنور میں قید ہوں اب بھی
مری منزل مجھے کیوں بے نشاں معلوم ہوتی ہے

متاعِ زیست ہے یہ آبلہ پائی مجھے فرحتؔ
اداسی بھی متاعِ کارواں معلوم ہوتی ہے

غ

کھُل جائے گا فرحتؔ کا ترے واسطے در اور
آ نسو نہ بہا آج مری دیدۂ تر اور

بس میری ریاضت کا ثمر مجھ کو ملے گا
اک روز تو ہوگا مرے سجدوں میں اثر اور

اُف دل کے مکانوں کا تو ہے کام اجڑنا
گرتا ہے مکاں ایک تو بن جاتے ہیں گھر اور

سوکھے ہوئے پیڑوں پہ نئے پھول کھلیں گے
بدلے گا جو موسم تو ہرے ہوں گے شجر اور

پرواز میں جلدی نہیں کرتے یہ پرندے
ہولے سے پرندوں کے کھُلا کرتے ہیں پر اور

فرحتؔ تری راہوں میں بہت خار ہیں لیکن
کانٹوں سے بھری راہ کا تھوڑا ہے سفر اور



ذرا سی ٹھیس سے ٹوٹا ہوا ہے
یہ دل ہے یا کوئی شیشہ ہوا ہے

بہت انمول ہے وہ میرا آنسو
جو میری آنکھ میں ٹھہرا ہوا ہے

اگر دل ہے محبت کا سمندر
تو پھر یہ کس لئے پیاسا ہوا ہے

سفر کرنے لگی ہوں ساتھ تیرے
تجھے تقدیر سے مانگا ہوا ہے

نہیں ٹوٹا ہے یہ دل نفرتوں سے
یہ شیشہ پیار میں ٹوٹا ہے

کسی کی بے رُخی کا ہے فسانہ
جسے اشعار میں ڈھالا ہوا ہے

جسے سچا سمجھتی تھی میں فرحتؔ
وہی سپنا مرا جھوٹا ہوا ہے

مسکرا کر ہمیں آج رخصت کرو

(آرمی پبلک سکول پشاور میں دہشت گردوں کے
ہاتھوں شہید ہونے والے بچوں کی آواز)

آج ایسی خدارا نہ حالت کرو
مسکرا کر ہمیں آج رخصت کرو

ہم کو دہشت گروں نے ستایا تو ہے
خونِ ناحق ہمارا بہایا تو ہے
یہ بدن ظالموں نے جلایا تو ہے

پر نہ شکوہ کرو نہ شکایت کرو
مسکرا کر ہمیں آج رخصت کرو

جسم بھی ہیں کٹے اور لہو ہیں ہوئے
ہم نے ہر وار کاری بدن پر سہے
بحرِ ظلمات میں دیر تک ہم رہے

آ نسوؤں سے نہ ہم پر قیامت کرو
مسکرا کر ہمیں آج رخصت کرو

آج لاشوں پہ کوئی نہ ماتم کرو
موت کا تم ہماری نہ یوں غم کرو
اپنے اشکوں سے چہرہ نہ پر نم کرو

غم کی چہرے پہ یوں نہ تمازت کرو
مسکرا کر ہمیں آج رخصت کرو

سچ ہے دشمن نے یہ ظلم ڈھایا بہت
راہِ حق میں ہمیں آزمایا بہت
ہمکو دہشت کا منظر دکھایا بہت

یوں نہ گھبراؤ تھوڑی سی ہمت کرو
مسکرا کر ہمیں آج رخصت کرو



جو اپنا تھا وہ اب ہوا اجنبی ہے
کہ دیوار پر آئینہ اجنبی ہے

جہاں چار سُو تھی محبت کی خوشبو
اُسی شہر کی اب فضا اجنبی ہے

لگی ہے محبت بھی اب رخ بدلنے
صنم آج تیری نگاہ اجنبی ہے

نیا تیرا لہجہ نیا جامِ الفت
تیری بات میں تو نشہ اجنبی ہے

میں سجدوں میں کیا مانگتی جا رہی ہوں
خدا تو وہی پر دعا اجنبی ہے

مرا درد آرام پائے گا کیسے
مسیحا تری اب دوا اجنبی ہے

ترے جام کا آج کیوں میرے ساقی
سرور اجنبی اور نشہ اجنبی ہے

گلوں نے دیا ہے ہمیں ایسا دھوکا
بہاروں کا اب نقشِ پا اجنبی ہے

عجب چاہتوں کا سفر ہے یہ فرحتؔ
وہی گیتِ الفت صدا اجنبی ہے



حسرتوں کا سلسلہ در سلسلہ رہ جائیگا
بن ترے اس زندگی میں جا نے کیا رہ جا ئیگا

سا تھ پھر رہ جائیں گے تنہا ئیو ں کے رات دن
پھر مرے دل میں محبت کا خلا رہ جائیگا

خواب میرے جب کبھی تھک ہا ر کر سو جا ئیں گے
چاہتوں کا کوئی سپنا جا گتا رہ جائیگا

نیند تجھ کو بھی نہ آئے گی کبھی میرے بغیر
میری آنکھوں میں بھی کوئی رتجگا رہ جائیگا

میں اگر تیرے لئے یوں اجنبی ہوتی گئی
تو بھی میرے واسطے ناآشنا رہ جائیگا

ہم ملے تھے جس جگہ فرحتؔ وہی اک راستہ
حسرتیں میری نظر کی دیکھتا رہ جائیگا



جانے یہ کیوں دڑاڑ سی کو ہِ گراں میں ہے
کیسا یہ ایک شور سا دل کے مکاں میں ہے

بپھرا ہوا ہے آ ج سمندر تو کیا ہوا
کہ حوصلہ عجیب مرے باد باں میں ہے

نکلے گا گر کمان سے واپس نہ آ ئے گا
اچھا ہے تیرا تیر ابھی تک کما ں میں ہے

مانا گناہ ہے کسی پتھر کو پوجنا
پھر بھی یہ کیا نشہ ہے جو عشقِ بتاں میں ہے

پکے گھروں کی زندگی بہتر تو ہے مگر
مجھ کو سکون ہی مرے کچے مکاں میں ہے

فرحتؔ بہشت ملتی ہے جو اس کے پاؤں میں
رب کا حسین روپ ہے جو میری ماں میں ہے

ظلم کی داستاں

گولیوں کی کوئی سنسنا ھٹ سی ہے
چار سو موت کی کوئی آہٹ سی ہے
نوجواں جسم خوں سے نہائے ہوئے
سرخ بادل زمیں پر ہیں چھائے ہوئے
بم دھماکوں سے اُڑتے ہوئے وہ بدن
میرے ویران ہوتے ہوئے سے چمن
میری گلیو ں میں لاشوں کے انبار ہیں
آدمی رحم کے اب طلبگار ہیں
کس طرح میں لکھوں ظلم کی داستاں
کس طرح سے ہو دہشت کا منظر بیاں

کس طرح پھول خوشیوں کے کوئی کھلیں
کس طرح سے مسرت کے موسم ملیں
کس طرح امن کی میں کہانی لکھوں
کس طرح پیار کا کو ئی امرت چکھوں
گود ماؤں کی دیکھی ہے اجڑی ہوئی
اور ہونٹوں سے مسکان بچھڑی ہوئی
کوئی الفت کا نغمہ میں کیسے لکھوں
پیار کا رنگ گیتوں میں کیسے بھروں
کہ مری روح تک آج زخمی سی ہے
کہ مری روح تک آج زخمی سی ہے



کانچ کا تھا دل مرا میں راہ کا پتھر رہی
سائے سے باہر رہی تھی دھوپ کے اندر رہی

میرے اس دل کا مکاں کچھ اس طرح ویران تھا
یہ عمارت زندگی بھر مانندِ کھنڈر رہی

نرم جذبوں میں پروئے ایک آنچل کی طرح
میرے سر پر حسرتوں کی عمر بھر چادر رہی

کیا کہوں کس سے کہوں کس کو بتاؤں حالِ دل
کس طرح الفت تری بھی بوجھ سی بن کر رہی

دل کے ٹوٹے آئینے کی کرچیاں چنتے ہوئے
جیسے شیشے کی سڑک پر میں کوئی کنکر رہی

دوسروں کے واسطے فرحتؔ بنی تھی اور میں
چاہتوں کا خواب بن کر حسرتوں کے گھر رہی



ایک سیلابِ رنگ و بو ہو گا
اک اجالا سا چار سو ہو گا

عید کا چاند دیکھنے کے لئے
آج تو میرے رو برو ہو گا

یہ مسافت کٹھن تو ہے لیکن
ہو گی آساں جو ساتھ تو ہو گا

سوچتی ہوں کہ رُت بدلنے پر
جانے کیسا یہ رنگ و بو ہو گا

ساتھ میرے رہے گی فرحتؔ ہی
یا کوئی غم بھی روبرو ہوگا



دیکھ لیتا وہ مری چھت سے نکلتا سورج
جس نے رکھا تھا مرے ہاتھ پہ جلتا سورج

کیا بتاؤں میں صنم تیری دعاؤں کے طفیل
اپنی تقدیر کا دیکھا ہے بدلتا سورج

دور تک جلتی ہوئی ریت پہ میں چلتی رہی
دیر تک سر پہ رہا میرے پگھلتا سورج

ہے کہیں سرد زمیں اور ٹھٹھرتی ہوئی دھوپ
اور دیکھا ہے کہیں آگ اُگلتا سورج

شام کے سائے اداسی میں بدل جاتے ہیں
مجھ کو غمگین سا کر دیتا ہے ڈھلتا سورج

عکس پانی میں ہے یہ نور کا کیسا فرحتؔ
پانیوں میں بھی اتر آیا ہے چلتا سورج

ایک زلزلہ زدہ شہر

میں جس صحرا میں بیٹھی ہوں
اک شہر یہاں پر بستا تھا
اس شہر میں کتنی ہلچل تھی
اور شوخ ہوا بھی چنچل تھی
یہاں میلہ تھا یہاں منگل تھا
اور خوشیوں کا اک دنگل تھا
یہ انسانوں کی بستی تھی
ہر ایک خوشی یہاں ہنستی تھی
یہاں بچے مل کر کھیلے تھے
یہاں خوشیوں کے سب میلے تھے

بھرپور جوانی تھی اس میں
موجوں کی روانی تھی اس میں
ہر شام سہانی تھی اس میں
ہر ایک کہانی تھی اس میں
کیا رنگ سنہرے تھے اس کے
کیا پھول سے چہرے تھے اس کے
سب رنگ ہی گہرے تھے اس کے
بچے خوشیوں سے نہاتے تھے
اک جشن سا روز مناتے تھے
سب پنچھی مل کر گاتے تھے
اور دہقاں ہل چلاتے تھے
اک پل میں قیامت ٹوٹ پڑی
اک پل میں وحشت پھوٹ پڑی
اک پل میں ستارے ٹوٹ گئے
اک پل میں سہارے چھوٹ گئے
اک موت کا ایسا بگل بجا

تھا حشر کا اک میدان سجا
مٹی نے خزانے نگل لیے
سب خواب سہانے نگل لیے
اک پل میں گھرانے نگل لیے
سب سال پرانے نگل لیے

غ

سسی بنا دیا کبھی لیلی بنا دیا
مجھ کو کسی کے پیار نے کیا کیا بنا دیا

یہ عشق تو دلوں کی عبادت ہے دیکھئے
دنیا نے جس کو کھیل تماشا بنا دیا

انسان اس طرح سے ہوا نفس کا غلام
ان خواہشوں نے اس کو درندہ بنا دیا

نفرت کی آندھیوں نے چمن کو اجاڑ کر
گلشن کے ہر گلاب کو کانٹا بنا دیا

فرحتؔ خیال و خواب میں الجھی ہوں اس طرح
میں نے حقیقتوں کو بھی سپنا بنا دیا

غ

محبت پیار ہے گرچہ کسی سیماب کی صورت
ملی ہے آج تک مجھ کو محبت خواب کی صورت گئی

جدا مجھ سے جو ہو کر تم ہوئے ہو غیر کے جانم
عجب سی ہو گئی میرے دلِ بیتاب کی صورت

مرے صحنِ چمن میں اس قدر ہے تیرگی کہ اب
دیئے کی روشنی مجھ کو لگی مہتاب کی صورت

اسی کو پیار کہتے ہیں اسی کو عشق کہتے ہیں
کہ جب کانٹوں کا بستر بھی لگے کمخواب کی صورت

لکھے ہیں رنج و غم میری کتابِ زندگانی میں
مسرت کا بیاں تو ہے مگر اک باب کی صورت

میرے چہرے پہ فرحتؔ کے اگر کچھ رنگ رہتے ہیں
تو آنسو بھی رہے ہیں گوہر نایاب کی صورت

غ

اس طرح مجھ پہ کوئی خار نہ جڑ شام کے بعد
مجھ سے نہ روٹھ نہ اس طرح بگڑ شام کے بعد

شام کے بعد مجھے غم کے حوالے نہ کر
مرے سینے پہ نئی میخ نہ جڑ شام کے بعد

تو ہے گر چاند سحر ہوتے ہی ڈھل جائیگا
اس قدر جلد بلندی پہ نہ چڑھ شام کے بعد

شام کے بعد سیہ رات بھی ناگن ہوگی
ایسے آسیب کی جانب تو نہ بڑھ شام کے بعد

مجھ کو ڈھلتے ہوئے سائے سے بھی خوف آتا ہے
چھوڑ کر مجھ کو نہ جا اب نہ بچھڑ شام کے بعد

میری ہستی پہ تو ویرانی سی چھا جائیگی
دل کا یہ شہر بھی جائے گا اجڑ شام کے بعد

تو ہے فرحتؔ کا لگایا ہوا پیارا پودا
اس طرح اس کی زمیں سے نہ اکھڑ شام کے بعد

سراغ رہگزر

میں ہوا پہ رکھا چراغ ہوں
میں اجاڑ سا کوئی باغ ہوں
مری روشنی ہے بجھی ہوئی
مری خواب خواب خوشی ہوئی
نہیں مجھ میں کوئی بھی دلکشی
مرے دل کے گھر میں ہے تیرگی
مری چاہتوں کا جہاں نہیں
کسی دل میں میرا مکاں نہیں
مرے گرد گرد ہیں راستے
نہیں کوئی گھر مرے واسطے
مجھے چھوڑ دے مرے حال پر
نہ تو میرے غم کا خیال کر

مرے ساتھ تو نہ قدم ملا
مری راہ میں نہ دیا جلا
تجھے میرے پیار کا واسطہ
کہ تو چھوڑ دے مرا راستہ
تو ملا نہ مجھ سے قدم کوئی
تجھے چھو نہ جائے جو غم کوئی
نہ سراغِ فرحتِ دل ملا
نہ ہی پھول راہ میں ہے کھلا

غ

دشمنی کی کسی زنجیر سے ڈر لگتا ہے
دشمنوں کی مجھے تدبیر سے ڈر لگتا ہے

تیغ و تلوار سے شمشیر سے ڈر لگتا ہے
مجھ کو دشمن کے ہر اک تیر سے ڈر لگتا ہے

اپنی طاقت پہ مجھے اب بھی بھروسہ ہے مگر
اس کی لکھی ہوئی تقدیر سے ڈر لگتا ہے

میں نے دیکھے تو ہیں چاہت بھرے پیارے سپنے
پر مجھے خواب کی تعبیر سے ڈر لگتا ہے

اے مرے دوست مرے زخم پہ مرہم نہ رکھ
اس مسیحائی کی تاثیر سے ڈر لگتا ہے

تیرا پیغامِ محبت مجھے اب راس نہیں
خط میں لکھی ہوئی تحریر سے ڈر لگتا ہے

جانے کیا کیا نہ گمان کرتا ہے گھبراتا ہے
مجھکو اپنے دلِ دلگیر سے ڈر لگتا ہے

اس لئے پاؤں میں پہنی نہیں پائل میں نے
کہ مرے پاؤں کو زنجیر سے ڈر لگتا ہے

چاہتی ہوں کہ ملے پیار کی فرحتؔ مجھ کو
نفرتوں کی مجھے جاگیر سے ڈر لگتا ہے



غمِ حسرت کو کیوں اس روح کی پوشاک رکھا ہے
دکھوں کو کیوں صنم اپنی بھلا املاک رکھا ہے

اگر تم کو محبت کا سفر آسان لگتا ہے
تو پھر کس واسطے تم نے یہ دامن چاک رکھا ہے

نہ جانے کون سا سر ہو کسی تلوار کے آگے
مرے دشمن نے ہر جانب نشانہ تاک رکھا ہے

تری ہی بندگی کو تو جھکا رہتا ہے سر میرا
حسابِ بندگی کو میں نے یوں بے باک رکھا ہے

کسی کے واسطے فرحتؔ برائی ہی نہیں سوچی
کہ میں نے نفرتوں سے اپنے دل کو پاک رکھا ہے



میں اک حسین خواب کے منظر میں قید ہوں
یعنی جمالِ نور کی چادر میں قید ہوں

میری شبِ سیاہ میں کیا کیا ہے میرے ساتھ
سوچوں کے اور سوال کے لشکر میں قید ہوں

وہ ماہ و سال آج جو مجھ سے بچھڑ گئے
میں آج تک انہی کے مناظر میں قید ہوں

کہنے کو روشنی کے مناظر ہیں چار سُو
اور میں کہ وحشتوں کے کسی ڈر میں قید ہوں

تنہائیاں بسیں مرے دل کے مکان میں
میں مدتوں سے اپنے اسی گھر میں قید ہوں

فرحتؔ ہو کس طرح مری رنگین زندگی
کہ میں اداسیوں کے سمندر میں قید ہوں



کسی ہیں طوفان کا اشارہ ہمارے آ نسو تمہارے آ نسو
ہیں عشق کا ایک استعارا ہمارے آ نسو تمہارے آ نسو

جو ہم نے سجدوں میں تھے بہائے وہ اشک یوں جگمگا رہے ہیں
فلک کا ہو جیسے ہر ستارہ ہمارے آ نسو تمہارے آ نسو

دکھوں کا کوئی لباس بھی ہے ہماری آنکھوں میں پیاس بھی ہے
ہے کربلا کا کوئی نظارا ہمارے آنسو تمہارے آ نسو

ہمارے بکھرے ہیں خواب کتنے سہے ہیں ہم نے عذاب کتنے
محبتو ں کا ہے یہ خسارہ ہمارے آ نسو تمہارے آ نسو

لہو سے لکھی ہوئی ہیں فرحتؔ یہ چاہتوں کی سبھی کتا بیں
ہے رنج و غم کا نصاب سارا ہمارے آنسو تمہارے آ نسو

آنسو

فرزانہ فرحت

